Manager,
THE BADR WEEKLY,
QADIAN-143516.

REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWSPAPERS FOR INDIA AT NO. R. N. 61/57.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

POSTAL REGISTRATION NO. P/GDP-23.

جلد ۴۰

ایڈیٹر:- عبدالحق فضل

نائب:- قریشی محمد فضل اللہ

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلۃ

ہفت روزہ بدر قادیان

شمارہ ۱۰

شرحِ چندہ
سالانہ ۷۵ روپے
ششماہی ۵۰-۳۷ روپے
ممالک غیر بذریعہ ہوائی ڈاک ۵۰۰ روپے
فی پرچہ ۱/۵۰
ایک روپیہ پچاس پیسے

THE WEEKLY "BADR" QADIAN-143516

ہفت روزہ بدر قادیان - ۱۴۳۵۱۶

۱۹ شعبان ۱۴۱۱ ہجری   ۷ امان ۱۳۷۰ ہش   ۷ مارچ ۱۹۹۱ء

بفضل اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیرو عافیت ہیں۔ الحمدللہ۔

احباب کرام حضور انور کی صحت وسلامتی، درازیٔ عمر، خصوصی حفاظت اور مقاصدِ عالیہ میں معجزانہ فائز المرامی کے لئے تواتر کے ساتھ دعائیں جاری رکھیں۔

خطبہ جمعۃ المبارک

جو امن کا خواب صدر بش مشرقِ وسطیٰ اور مسلمانوں کے ممالک کے لئے دیکھ رہے ہیں اس کی تعبیر موت ہے

خواب خواہ امن کے نام پر ہو۔ اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور جہاں تک میں نے سوچا ہے وہ خواب یہ ہے کہ

تیل کے امیر ملک سعودی عرب اور شیخڈم ریاستوں وغیرہ کو آمادہ کیا جائے گا کہ وہ بھیک کے طور پر اپنی تیل کی آمد کا ایک حصہ ان عرب ممالک میں

تقسیم کریں جو تیل کی دولت سے محروم ہیں

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۸ تبلیغ ۱۳۷۰ ہش مطابق ۸ فروری ۱۹۹۱ء بمقام مسجد فضل لندن

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ بصیرت افروز خطبہ جمعہ ادارہ "بدر" قادیان اپنی ذمہ داری پر ہدیۂ قارئین کر رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

غالباً چھ ماہ پہلے یا کم وبیش اتنا عرصہ پہلے میں نے بغداد پر ہونے والے ہلاکو خاں کے حملے کا ذکر کیا تھا اور متنبہ کیا تھا کہ اسی قسم کی ہلاکت آفرینی کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ فیصلے ہو چکے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر صدر صدام نے احتیاط سے قدم نہ اٹھائے تو ایسی خوفناک ہلاکت خیزی کی جنگ اس پر ٹھونسی جائے گی کہ جس کے نتیجے میں ہلاکو خاں کی باتیں بھی خواب وخیال کی باتیں ہو جائیں گی۔

اس عرصے میں جو کچھ رونما ہوا ہے وہ اتنا ہولناک ہے اور اتنا دردناک ہے کہ اس کی جتنی خبریں اب تک دنیا کو مل چکی ہیں، انہی کے نتیجے میں تمام عالم اسلام کے دل خون ہو رہے ہیں۔ لیکن جو خبریں اب تک ظاہر ہو چکی ہیں وہ ان خبروں کا کوئی بیسواں سوواں حصہ بھی نہیں جو رفتہ رفتہ اس جنگ کے بعد ظاہر ہوں گی۔ اور جن سے بعد میں پردے اٹھیں گے۔ میرے اندازے کے مطابق لکھوکھہا شہری اور فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں اور بہت بڑی تباہی ہے سویلین آبادی کی جو ابھی تک کسی شمار میں نہیں لائی جاسکی۔ لیکن اس کے علاوہ فوجیوں کے خلاف جس قسم کی کارروائی ہے وہ جنگ کی کیفیت نہیں بتاتی بلکہ اس طرح ہی ہے جیسے کسی ایک شخص کو باندھ کر رفتہ رفتہ اس کو ڈسممبر (DISMEMBER) کیا جائے۔ اس کے اعضاء کاٹے جائیں۔ پہلے ناخن نوچے جائیں پھر انگلیاں کاٹی جائیں پھر دانت نکالے جائیں۔ پھر ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور اس کے بعد کہا جائے کہ اے بہادرو! اور شیرو! اب اس شخص پر حملہ کر دو۔ اور جب تک یہ یقینی نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ٹنڈے ہاتھوں سے ایک چپیڑ بھی نہیں مار سکے گا اس وقت تک بہادروں کو اس پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ خلاصہ ہے میرے الفاظ میں اس موجودہ جنگ کا۔ اور امریکی جرنیل جو اس وقت یہ جنگ لڑا رہے ہیں وہ عراق کے سکڈ میزائلز وغیرہ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے اس قسم کے یہ حملے ایسے ہی ہیں جیسے ایک ہاتھی پر مچھر بیٹھ جائے۔ اور عملاً یہ ایک ہاتھی ہی کی نمائندگی کرنے والی طاقتیں ہیں۔ اور اس کے مقابل پر جس کو وہ نئے زمانے کا ہٹلر کہتے تھے اس کی حیثیت عملاً یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے مقابل پر ایک مچھر سے زیادہ نہیں۔ تو جب تک یہ ہاتھی اور مچھر کی لڑائی جاری ہے اس وقت تک جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس صدی کا مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ ہولناک اور خوفناک منصوبہ اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہوگا۔ اور اس کے بعد پھر یہ نئی صدی میں داخل ہونے کے منصوبے بنائیں گے۔ لیکن میرا کام جنگ کی خبروں پر تبصرہ کرنا نہیں۔ اور جماعت احمدیہ کو مسلسل یہ بتانا مقصود نہیں کہ اب جنگ میں کیا ہوا اور کل کیا ہوا تھا اور آئندہ کیا ہوگا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ

اس جنگ کا پس منظر آپ کے سامنے کھول کر رکھوں

اور تاریخی پس منظر کی روشنی میں تمام دُنیا کے احمدی اور اُن کے ساتھ دُوسرے مُسلمان بھائی جن تک وہ آواز پہنچا سکتے ہیں اِس صورتِ حال کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہو کیا رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ اور مغربی قوموں نے اس میں کیا کردار ادا کیا ہے آج تک اور آئندہ کیا کریں گی۔ اور اقوامِ متحدہ نے یا اس سے پہلے لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) نے کیا کردار ادا کیا تھا اور ان کے آپس میں کیا رابطے ہیں۔ اور یہُود کے ساتھ اِن کے کیا تعلقات ہیں۔ اور کیوں وہ تعلقات ہیں۔ اِس میں مسلمانوں کی غلطیوں کا کہاں تک دخل ہے۔ اور اس سب تجزیے کے بعد میرا اِرادہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی توفیق کے مطابق آپ کے سامنے وہ مشورے رکھوں گا جو الگ الگ قوموں کو مخاطب کرکے دُوں گا یعنی میرے نزدیک اِس سارے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد پھر وہ SOLUTION یا حل خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ دراصل مرض کی تشخیص ہے جو سب سے اہم اور بُنیادی چیز ہے۔ اگر تشخیص درست ہو تو علاج تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ پس یہود کو بھی مشورہ دوں گا، عیسائی قوموں کو بھی مشورہ دوں گا، مُسلمانوں کو بھی مشورہ دوں گا اور تمام بنی نوعِ اِنسان کو بھی مشورہ دوں گا کہ آئندہ ان کو دائمی امن کی تلاش کے لئے کس قِسم کی منصفانہ کارروائیاں کرنی چاہئیں۔ بہرحال اَب مَیں مختصرًا آپ کے سامنے اِس مسئلے کو جس کو

فلسطین کا مسئلہ

کہا جاتا ہے یا آجکل جسے ہم "GULF WAR" کے نام سے یاد کرتے ہیں اِس کا جو گہرا پسِ منظر، تاریخی پس منظر ہے اس کا مختصرًا ذکر مَیں آپ کے سامنے کرتا ہُوں۔

بالفور (BALFOUR) نے ۱۹۱۷ء میں جو یہُود سے وعدہ کیا اُس کا مَیں ذکر کرچکا ہوں۔ اُس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ۱۹۲۲ء میں رُونما ہُوا جبکہ لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) نے ایک مَینڈیٹ (MANDATE) کے ذریعے انگریزوں کو فلسطین کے علاقے کا نگران مقرر کیا۔ اور اُس مَینڈیٹ میں یہ بات داخل کی کہ بالفور نے جو یہود سے وعدہ کیا تھا اُسے پورا کروانا اس نگران حکومت کا کام ہوگا۔ اب دُنیا کی تاریخ میں ایسا حیرت انگیز ناانصافی کا کوئی واقعہ اِس سے پہلے کم ہُوا ہوگا جو ناانصافی باقاعدہ قوموں کی مِلی بھگت سے ہوئی ہے۔ لیگ آف نیشنز تو تمام دنیا کی نمائندہ تھی۔ یعنی کہا یہ جاتا تھا کہ سب دُنیا کی نمائندہ ہے اس کا یہ کام ہی نہیں تھا کہ انگریزوں کے کسی وزیر نے جو کسی یہودی لارڈ کو خط لکھا، راتھ چائلڈ (ROTHCHILD) یا راتھ شیلڈ (ROTHCHILD) نام ہے اس کا تلفظ مجھے یاد نہیں مگر وہ بہت بڑا بینکر (BANKER) تھا فرانس کا۔ اُس کو خط لکھا کہ ہماری کیبنٹ یہ وعدہ کرتی ہے تم سے، یہ سوچ رہی ہے، اس کو لیگ آف نیشنز کا حِصّہ بنالے۔ اور لیگ آف نیشنز کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ وہ دنیا کی قِسمت بانٹتی پھرے۔ اور جس قوم نے وہ وعدہ کیا تھا ان کے سپُرد ہی اس علاقے کی نگرانی کر دی کہ اب جس طرح چاہو اس کو نافذ العمل کرو۔ اس پر عمل کرواؤ۔ ساتھ ہی ایک لاکھ یہود کو باہر سے لاکر آباد کرنے کا مَینڈیٹ (MANDATE) بھی دیا۔ چنانچہ اس پر عمل شروع ہُوا۔ اور ۱۷ رمئی ۱۹۳۹ء کو اگلی جنگ سے پہلے انگریزوں نے ایک وائٹ پیپر (WHITE PAPER) شائع کیا۔ اُس وقت تک ایک لاکھ کی بجائے اِس سے بہت زیادہ یہود اس علاقے میں آباد ہو چکے تھے۔

۱۹۳۹ء کے وائٹ پیپر (WHITE PAPER) کی رُو سے انگریزوں نے اپنی سابقہ پالیسی میں ایک تبدیلی پیدا کرلی۔ اور یہ اُس وقت چیمبرلین (CHEMBER LANE) کی حکومت تھی۔

چیمبرلین نے اِس خیال کا اظہار کیا

کہ اب جبکہ ہم دوسری جنگ کے کنارے پر کھڑے ہیں اگر ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ یہود کے خلاف فیصلہ کرکے اُن کو دُشمن بنائیں یا عربوں کے خلاف فیصلہ کرکے ان کو دُشمن بنائیں تو میری رائے یہ ہے کہ ہمیں یہود کے خلاف فیصلہ کرنا چاہیئے، عربوں کے خلاف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ جنگِ عظیم ثانی سر پہ کھڑی تھی۔ پہلا فیصلہ پہلی جنگ کے بعد کا ہے۔ دُوسرا فیصلہ دُوسری جنگ سے پہلے کا ہے اور یہ فیصلہ سیاست پر مبنی تھا حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔

ہاں اس وائٹ پیپر (WHITE PAPER) میں باقاعدہ یہ اعلان کیا کہ انگریزی حکومت فلسطین میں یہودی حکومت قائم کرنے کے حق میں نہیں ہے اور ہم یہود کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ فلسطین میں اپنی حکومت بنائیں۔ ساتھ ہی پچھتر ہزار (۷۵،۰۰۰) مزید یہودیوں کو باہر سے لاکر وہاں آباد کرنے کی اجازت دی گئی۔ ایک لاکھ پر بات شروع ہوئی تھی جو ۷۵،۰۰۰ پر رُکی۔

اُس وقت اگر یہ دیانتدار تھے اپنے فیصلے میں تو لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) کو یہ مَینڈیٹ واپس کر دینا چاہیئے تھا کہ ہمارے فیصلے کے مطابق ۱۹۱۷ء والے فیصلے کے مطابق اگر تم نے ہمیں مختار بنایا ہے کہ اِس فیصلے پر عملدرآمد کروائیں تو اب حکومت اِس فیصلے کے خلاف ہے۔ اِس لئے خود بخود مَینڈیٹ ختم ہو جانا چاہیئے۔ لیکن اس کی بجائے ان کو مزید کوٹہ عطا کیا گیا اور ۱۹۴۶ء میں یہ کوٹہ بڑھا کر ایک لاکھ کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں جب یہ مَینڈیٹ ختم ہُوا تو یہود کی آبادی (۸۵،۰۰۰) پچاسی ہزار سے بڑھ کر، ہاں مَینڈیٹ کے آغاز سے بھی پہلے یعنی ۱۹۱۹ء میں (مینڈیٹ تو ۱۹۲۲ء کا ہے) اُس وقت کی آبادی ۸۵ ہزار بیان کی جاتی تھی، اِس میں بہت سے اختلافات ہیں۔ بہت لمبی چھان بین کرنی پڑی لیکن غالباً پچاسی ہزار کی آبادی درست ہے۔ اور ۱۹۴۷ء تک جب یونائیٹڈ نیشنز (UNITEU NATIONS) نے مینڈیٹ کے ختم ہونے کے قریب آکر یہ اعلان کیا کہ

فلسطین کی پارٹیشن کر دی جائے،

تقسیم کر دی جائے اور ایک یہودی سٹیٹ (STATE) قائم کر دی جائے اور ایک مُسلمان عرب سٹیٹ قائم کر دی جائے، اس وقت تک یہ آبادی بڑھ کر سات لاکھ ہو چکی تھی۔ اور اُس وقت بعض اعداد وشمار کے مطابق عربوں کی کل آبادی بیس لاکھ تھی۔ پس نسبت ایک اور تین کی تھی۔ سات لاکھ ہونا نہیں چاہیئے تھا اگر مینڈیٹس کو دیکھا جائے تو اتنی آبادی ہو ہی نہیں سکتی۔ مزید تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ بہت بھاری تعداد میں یہود وہاں سمگل کئے جاتے تھے۔ اور برٹش حکومت کی بعض موقعوں پر جائز کوششوں کے باوجود کہ یہ سِلسلہ بند ہو، یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور جب بھی برٹش حکومت نے اِس کو روکنے کی کوشش کی، اُن کے خلاف بغاوت ہوئی۔ اور انتقامی کارروائی یہود کی طرف سے کی گئی۔ بہرحال نسبت سات اور بیس کی بیان کی جاتی ہے۔ جس پر یونائیٹڈ نیشنز یہ فیصلہ کرنے بیٹھی کہ تقسیم کے نتیجے میں کتنا علاقہ یہود کو دیا جائے اور کتنا مُسلمانوں کو۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ چھپن فیصد (56٪) رقبہ فلسطین کا یہود کے سپُرد کر دیا جائے باقی چوالیس فیصدی (44٪) میں سے جو علاقہ یروشلم کا ہے وہ بین الاقوامی نگرانی میں رہے کیونکہ مقاماتِ مقدسہ ہیں جن کا تعلق یہود سے بھی ہے، عیسائیوں سے بھی ہے اور مُسلمانوں سے بھی۔ اور باقی جو بچا کھچا رقبہ تھا وہ عرب مسلمانوں کے سپُرد نہیں کیا گیا، عرب مُسلمانوں کو دینا تھا۔ اِس فیصلے میں یہ قطعی طور پہ اعلان کیا گیا کہ دونوں علاقوں میں دونوں کی باقاعدہ حکومت قائم کروانے کے سِلسلے میں برٹش گورنمنٹ یونائیٹڈ نیشنز سے تعاون کرے۔ اور اُن کی قائم کردہ نمائندہ کمیٹی اِس کام کو انگریزی حکومت کے تعاون سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ عملاً یہ ہُوا کہ انگریزی حکومت نے تعاون کرنے سے کُلیّۃً انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں جہاں تک مسلمان تھے اُن کو منظم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اُن میں بے چینی تھی۔ افراتفری تھی۔ اور کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو باقاعدہ ان کی وہاں حکومت بنواتا۔ اور جہاں تک یہود کا تعلق ہے یہاں دو قسم کے ادارے قائم ہوئے۔ ایک تو میناخم بیگن (MENACHEM BEGIN) کی قیادت میں ۱۹۴۸ء سے پہلے سے ہی بہت مضبوط TERRORIST ORGANISATION قائم کر دی گئی تھی جو انگریزوں کے خلاف بھی TERROR استعمال کر رہی تھی۔ اور عربوں کے خلاف بھی TERROR استعمال کر رہی تھی۔ اور دُوسرے ڈیوڈ بین گورین (DAVID BEN-GURION) کی قیادت میں امریکہ سے کثرت سے اسلحہ یہود کو مہیا کیا جا رہا تھا۔ اور یہاں تین چار قِسم کی ORGANISATIONS قائم کر دی گئی تھیں۔ جو منظم طریق پر نہ صرف اپنے علاقے کا دِفاع کریں اور یہاں حکومت قائم کریں بلکہ اور بھی کچھ علاقہ عربوں سے ہتھیائیں۔ چنانچہ یہ جو ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء تک کا ڈیڑھ سال کے قریب کا عرصہ ہے اِس عرصے میں عربوں اور یہود کی چھڑپ ہوتی رہی، اس میں اردگرد کی عرب ریاستوں نے بھی حصہ لیا اور غیر منظم جنگوں کا آغاز ہُوا یعنی باقاعدہ حکومتوں کی طرف سے اسرائیل کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں ہُوا بلکہ وہ عربوں کی مدد کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد جب ۱۹۴۹ء میں سیز فائر ہُوا ہے یعنی آپس میں TRUCE ہوئی اور صلح قائم کروائی گئی تو چھپن فیصد (56٪) سے بڑھ کر یہود کے قبضہ میں پچھتر فیصد (75٪) علاقہ جا چکا تھا۔ یہ تو ہے یونائیٹڈ نیشنز کا کردار اور انگلستان کا کردار اور امریکہ کا کردار۔ یہ بہت بڑی تفصیلات ہیں جن کے

مصروف تھا اسے میرے پاس ہیں لیکن میں اپنے شہریوں کو ابھی بحث میں شامل نہیں کرنا چاہتا اور اُلجھانا نہیں چاہتا۔ خلاصہ یہی ہے کہ عالمی سازشوں کے نتیجہ میں جس میں لیگ آف نیشنز نے اور یونائیٹڈ نیشنز نے بھرپور حصہ لیا اور سب سے

اہم کردار انگلستان نے اور امریکہ

نے ادا کیا۔ یہود کی ایک ایسی ریاست فلسطین میں قائم کر دی گئی جو انصاف کی کسوٹی پر کسی پہلو سے بھی قائم نہیں کی جاسکتی تھی بین الاقوامی قوانین کی رُو سے بین الاقوامی یونائیٹڈ نیشنز کی روایات اور چارٹر کے نتیجے میں اس کا پہلا قدم بھی نہیں اُٹھایا جاسکتا تھا مگر اُٹھایا گیا۔ اور اس کے بعد پھر جنگوں کا آغاز شروع ہوتا ہے۔ اس علاقے میں دو قسم کی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ یا دو قسم کی کارروائیاں کی گئی ہیں۔ ایک مغربی مفادات کے تحفظ کی خاطر بین الاقوامی مفادات کے نام پر کارروائیاں کی گئیں۔ کہا یہ گیا کہ یہ بین الاقوامی مفادات ہیں جن کی خاطر ہم یہ کرتے ہیں اور کھلم کھلا مغربی تحفظات تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کردار انگلستان نے اور فرانس نے ادا کیا۔ اور امریکہ ہمیشہ ان کے ساتھ شامل رہا۔ پہلی مفادات کی کارروائی ایران کے خلاف ہوئی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں ایران کی پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے تیل کی دولت سے متعلق جو بیرونی دُنیا کی لالچ اور دخل اندازی کے ارادے ہیں اُن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک فیصلہ ہم یہ کرتے ہیں کہ ایران کے شمالی حصے کے تیل کے چشموں پر روس کے دخل کی پیشکش کو رد کر دیا جائے یعنی الفاظ پوری طرح شاید بات واضح نہیں کر سکے مراد یہ ہے کہ روس نے ایک پیشکش کی تھی کہ جس طرح (BRITISH IRANIAN OIL COMPANY.) برٹش ایرانین آئل کمپنی کو تم نے اپنے جنوبی حصے میں تیل کے چشموں سے استفادے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ اور تمہارے ساتھ سمجھوتے کے ساتھ وہ تمہاری خاطر بظاہر تیل نکال رہے ہیں اور اپنے فائدے اُٹھا رہے ہیں ہمیں بھی اجازت دو تو انہوں نے کہا روس کو شمالی حصے میں دخل کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دوسرا یہ فیصلہ کیا کہ برٹش ایرانین آئل کمپنی سے ہم اپنے معاہدے کو وقتاً فوقتاً زیر نظر لاتے رہیں گے اور آئندہ اس معاہدے پر نظر ثانی ۱۹۵۱ء میں ہو گی۔ سنہ ۵۰ کے اس فیصلے پر امریکہ میں فتح کے خوب شادیانے بجائے گئے اور امریکی حکومت نے اس کو بڑا سراہا کیونکہ اس کی نظر اُس وقت روس کے خلاف فیصلے پر رہی۔ لیکن ۱۹۵۱ء میں جب برٹش ایرانین آئل کمپنی کے ساتھ معاہدے پر نظر ثانی کا مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہو رہا تھا تو برٹش ایرانین آئل کمپنی کی اتنی بڑی طاقت تھی کہ امریکہ یا خود انگریزوں کو یہ وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ ہماری مرضی کے خلاف اس معاہدے میں جو ایرانین آئل کمپنی اور حکومت کے درمیان تھا کوئی ردّ و بدل کر دیا جائے گا۔ برٹش ایرانین آئل کمپنی کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جو یہ رقم ٹیکس کے طور پر یا معاہدے کے نتیجے میں ایرانی حکومت کے حصے کے طور پر ایرانی حکومت کو دیتے تھے وہ تمام ایرانی بجٹ کا نصف تھا اور جو وہ برٹش ایرانین آئل کمپنی کے مالک ٹیکس کے طور پر انگریزوں کو دیتے تھے وہ اس سے بہت زیادہ رقم تھی اور جو منافع وہ خود رکھتے تھے وہ اس سے دس گنا زیادہ تھا یعنی کم از کم پانچ ایران کی کل اجتماعی دولت یہ برٹش آئل کمپنی سالانہ کما رہی تھی اس لئے یہ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس کے خلاف کچھ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب اسمبلی کے سامنے یہ بحث پیش ہونے لگی تو ایرانی وزیر اعظم کو انہوں نے خریدا ہوا تھا یا جس طرح بھی انہوں نے اس کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا اُس نے ایک رپورٹ پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ برٹش ایرانین آئل کمپنی کو قومیانے کا فیصلہ ایرانی مفاد کے سخت خلاف ہو گا۔ اس پر ایک دم

پارلیمنٹ میں اس کی مخالفت کا شور اُٹھا اور دوسرے دن یا تھوڑی دیر کے بعد ہی اُس وزیر اعظم کو قتل کر دیا گیا اور اُس کی جگہ اور

نئے وزیر اعظم کے طور پر ڈاکٹر مصدق

کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر مصدق چونکہ پوری طرح ایرانی مفادات کے وفادار تھے اس لئے اس وقت سے پھر خطرے کی گھنٹی بجا دی گئی تھی۔ سب سے پہلے تو انگریزوں نے امریکہ سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے بھی پہلے انہوں نے مارشس میں مقیم اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعہ فوج منتقل کرنے والی ایئر بورن ڈویژن (AIR BORNE DIVISION) کو یہ حکم دیا کہ وہ ایران پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن امریکہ نے سمجھایا کہ یہ طریق نہیں ہے اور طریق ہے۔ اس کو طے کریں گے۔ اس کے بعد امریکہ پر انہوں نے دباؤ ڈالا کہ ایک سازش تیار کی جائے جو برٹش آئی ایس آئی اور امریکہ سی آئی اے مل کے کریں۔ جسے قطعی طور پر منظور کر لیا گیا اور انگلستان میں آئی ایس آئی کے نمائندہ مسٹر جارج کینیڈی جو انگریزوں کی طرف سے آئی ایس آئی کے سربراہ تھے اور C.I.A کے نمائندہ کم روز ویلٹ ان کے درمیان ایک منصوبہ طے ہوا لیکن اس عرصے میں امریکہ نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے تمام دُنیا میں ایرانین آئل کا بائیکاٹ کرا دیا چونکہ بجٹ کی کل آمد کا نصف آئل کمپنی سے ملا کرتا تھا جب تیل کی فروخت بند ہو گئی تو بڑا شدید مالی بحران ایران میں پیدا ہوا۔ ڈاکٹر مصدق نے سنہ ۵۲ کے وسط میں امریکہ کے صدر سے درخواست کی کہ عارضی طور پر ہمیں مالی مدد دی جائے تاکہ ہم اس بحران پر قابو پالیں۔ بعد میں معاملہ طے ہو جائے گا تو ہم آپ کو پیسے واپس کر دیں گے تو امریکی صدر نے اس کا جواب دیا کہ امریکن ٹیکس پیئر (TAXPAYER) کے مفادات کے مخالف یہ بات ہے کہ ایران جب خود پیسے حاصل کر سکتا ہے تو ہم اپنے ٹیکس کے پیسے اُن کی طرف منتقل کریں۔ آپ کے پاس سیدھی سادی راہ ہے برٹش ایرانین کمپنی کی بات مان جائیں اور اُن سے پیسے لے لیں۔ وہ تو پیسے دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر ڈاکٹر مصدق سمجھ گئے کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ جب امریکی صدر نے ڈاکٹر مصدق کو یہ جواب دیا ہے تو اس سے چار دن پہلے سی آئی اے اور آئی ایس آئی کی سکیم مکمل ہو کر امریکی حکومت کی توثیق حاصل کر چکی تھی اور پریذیڈنٹ نے اس پر دستخط کر دیئے تھے کہ ایران کے خلاف یہ کارروائی کی جائے۔ وہ کارروائی تو بہت لمبی چوڑی ہے لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ امریکن پولیس اور ایرانین فوج پر انہوں نے قبضہ کیا جو ان کا طریق ہے فوجی انقلاب برپا کرنے کا اور مختلف اداروں کے سربراہوں کو خرید لینا یا جس طرح بھی ہو اپنے ساتھ ملا لینا۔ چنانچہ اس کام کو کم روز ویلٹ نے ادا کیا اور اس کے بعد کم روز ویلٹ کو امریکہ میں اتنا بڑا میڈل عطا کیا گیا ہے۔ جو شاذ ہی کسی ہیرو کو اس طرح عطا کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ایران کے بادشاہ اور ایران کے وزیر اعظم کے درمیان آپس میں پہلے چپقلش ہوئی اور اختیارات کی کھینچا تانی ہوئی۔ ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق خود افواج کے سربراہ بن گئے۔ ایران کے وزیر اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ پولیس کا سربراہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور فوج کا کمانڈر انچیف تو خود بن گئے تھے تو چیف آف سٹاف کہنا چاہیئے وہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور اس کی نامزدگی بھی انہوں نے کر دی لیکن پولیس کے جو نئے سربراہ نے تقرری طور پر یہ ذکر کیا کہ

جتنے بھی برٹش ایجنٹس یہاں ایران میں موجود ہیں

ان سب کی فہرست یہاں میرے پاس ہے۔ دل پہ ہاتھ مار کے اُس نے کہا اور دوسرے دن وہ قتل کر دیا گیا۔ اور جب ڈاکٹر مصدق کو شاہ آف ایران نے آخر معزول کیا (جب یہ تیاری مکمل ہو چکی تھی تو اس کے بعد اُن کو معزول کیا گیا) تو جو مظاہرے ان کے حق میں ہوئے اُن کے مقابل پر ایک باقاعدہ مقابل پر مظاہرہ کرنے والی فوج تیار کی گئی تھی عوام میں سے خرید کر اُن کو مسلح بھی کیا گیا تھا غالباً چھ ہزار ان کی تعداد تھی وہ چونکہ باقاعدہ مسلح تھے اور تربیت یافتہ تھے انہوں نے ان

مظاہروں پر کسی حد تک قابو پا یا لیکن وہ مظاہرے اتنے شدید تھے اور اتنے پھیل گئے کہ جیسا کہ ایسے موقع پر پہلے سے ہی پتہ ہوتا ہے کہ فوج پھر دخل دے گی۔ دو لاکھ فوج شاہ کی حمایت میں میدان میں کود گئی اور پہلے سے فیصلے کے مطابق

شاہ آف ایران

کو جو امریکی اور انگلستانی غلامی کی ایک کامل تصویر تھے اُن کو ایران پر ہمیشہ کے لئے یا جب تک وہ بد انجام کو نہیں پہنچ گئے مسلط کر دیا گیا۔ ایک یہ کارروائی ہے جو ہمیں اس پس منظر میں پیشِ نظر رکھنی چاہیئے۔

دوسری کارروائی ۱۹۵۶ء میں ہوئی جب کہ EGYPT کے صدر ناصر نے نہر سویز کو قومیانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا پس منظر یہ ہے کہ اسوان ڈیم کے سلسلہ میں

امریکہ نے صدر ناصر سے کچھ وعدے کئے تھے

کہ ہم اس کے پیسے مہیا کریں گے۔ صدر ناصر کے رجحانات چونکہ روس کی طرف تھے اور بار بار کے سمجھانے کے باوجود اسرائیل کے خلاف ان کے تشدد میں کمی نہیں آرہی تھی اس لئے ان کو سبق دینے کے لئے امریکی حکومت نے وہ وعدہ واپس لے لیا۔ اسوان ڈیم اس وقت تک مصر کی زندگی کے لئے سب سے اہم منصوبہ بن چکی تھی کیونکہ مصر کی اقتصادی زندگی اور زرعی پیداوار کے لئے اسوان ڈیم نے بہت ہی اہم کردار آئندہ ادا کرنا تھا اس کے بغیر مصر خوراک وغیرہ میں اور بہت سی دوسری اقتصادی چیزوں میں خود کفیل نہیں ہو سکتا تھا اور منصوبہ اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اس وقت اس کا رکنا مصر قبول نہیں کر سکتا تھا تو ناصر نے اپنے فنانس حاصل کرنے کیلئے یعنی اس کے اخراجات پورے کرنے کی خاطر نہر سویز کو قومیا لیا۔ نہر سویز پر اس وقت تک انگریزوں اور فرانس کا تسلط تھا کیونکہ اس کمپنی کے فیصلہ کن SHARES ان کے پاس تھے۔ چنانچہ پھر انگلستان نے اس کے متعلق ایک منصوبہ بنایا تاکہ ناصر کو اور EGYPT کو اس بات کی سزا دی جائے کہ وہ ہمارے مفادات پر حملہ کرے اور منصوبہ بڑا بھونڈا سا بچوں والا منصوبہ ہے لیکن تھا بہت خوفناک۔ اسرائیل کو آمادہ کیا گیا کہ وہ حملہ کرے EGYPT پر اور نہر سویز تک پہنچ جائے اور چونکہ یہ اچانک بغیر اطلاع کے حملہ ہوگا اور EGYPT کے پاس کوئی ایسی دفاعی فوج نہیں تھی کہ اس حملے کا مقابلہ کر سکتا اس لئے یہ آناً فاناً کامیاب ہونے والا حملہ تھا اس کے بعد انگریز اور فرانسیسی دونوں اسرائیل کو اور EGYPT کو حکم دیں گے کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے دُور دور تک پیچھے ہٹالو۔ امن کی خاطر ہم دخل دینے لگے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آناً فاناً اسرائیل کی فوجیں نہر سویز کے کنارے تک پہنچ گئیں اور دوسرے ہی دن انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا کہ چونکہ تم دونوں کی فوجیں وہاں لڑ رہی ہیں اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے اتنی اتنی دُور ہٹالو۔ اسرائیل نے اس پر فوراً عمل شروع کر دیا جیسا کہ فیصلہ تھا۔ EGYPT نے کہا کہ یہ ہمارا ملک ہے ہماری نہر ہے۔ ہم اپنے ملک سے کیوں فوجیں ہٹائیں۔ یہ کونسی منطق ہے۔ حملہ آور نے ہٹالیں بس کافی ہے۔ اس پر پھر ان دونوں قوموں نے مل کر حملہ کیا یہ ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے اور اس جنگ میں جو انگریزوں نے کردار ادا کیا ہے اس پر NUTTING جو اس وقت فارن سیکرٹری تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی اس جنگ کے حالات پر۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو طرزِ عمل انگلستان نے صدر ناصر کے خلاف اور EGYPT کے خلاف اختیار کی۔ بعینہٖ وہی طرزِ عمل آج صدر بش نے صدر صدام اور عراق کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جس طرح وہ کاربن کاپی ہے اُن حالات کی جو آب رونما ہو رہے ہیں۔ اسی طرح صدر ناصر کے خلاف کردار کُشی کی بڑی خطرناک مہم چلائی گئی۔ اسی طرح یہ کہا گیا کہ ہم عالمی مفادات کے تحفظ کی خاطر عالمی مفادات کی نمائندگی میں یہ کارروائی کر رہے ہیں۔ جس طرح کی زبان صدر بش نے صدام کے متعلق استعمال کی ہیں وہ اتنی گندی ہے الفاظ ایسے استعمال بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ تھا کہ کِک کر کے اس کو باہر نکال دو۔ جو کتاب میں بیان کر رہا ہوں اس کا حوالہ میرے پاس ہے۔ مگر اس وقت سامنے نہیں ہے بہر حال اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مقصد انتھنی

ایڈن کا یہ تھا کہ "TO KICK NASSER OUT OF HIS PERCH" یا ملتے جلتے الفاظ تھے کہ ناصر کو ٹھڈا مار کے جس طرح وہ پرندے شاخ پر بیٹھے ہوتے ہیں کسی جگہ پر اس کی بیٹھنے والی جگہ سے اُڑا کر باہر مارو۔ یہ جنگ کا اصل مقصد تھا جو فیصلہ ہو چکا تھا جس طرح اس وقت یہ کہا جا رہا ہے بعض مبصرین کی طرف سے کہ دراصل یہ جنگ جنرل بش کی انا کے کھیلنے کے نتیجے میں پیدا ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ درست نہیں ہے۔ صدر بش کی انا کا دخل ضرور ہے مگر مقصد ہرگز یہ نہیں تھا لیکن اُس زمانے میں ANTHONY EDEN کے متعلق بھی ان کے اس وقت کے فارن سیکرٹری نے اپنی کتاب میں لکھا کہ ANTHONY EDEN کے متعلق یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ اُس نے یہ جنگ ناصر کو اس جرم کی سزا دینے کے لئے شروع کی ہے کہ EGYPT کے ایک کرنیل کی مجال کیا ہے کہ دولتِ عظمیٰ برطانیہ کے وزیر اعظم کو DEFY کرے اور اس کے مقابل پر اس طرح سر بلندی کا مظاہرہ کرے۔ بالکل یہی تجزیہ آج بش کے متعلق بعض مبصرین کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ تو عملاً یہ ایک قسم کا ۱۹۵۶ء کی جنگ کا اعادہ ہے۔ تیل کے مفادات اب ہیں۔ اس وقت سویز کے مفادات تھے اور یہود کی شرکت کی بجائے اب امریکن شرکت ہے۔ پس اس جنگ میں دراصل وہی تین طاقتیں نمایاں ہیں جو پہلے تھیں۔ انگلستان۔ فرانس اور یہود۔ لیکن فرق صرف یہ پڑا ہے کہ یہود کی نمائندگی امریکہ نے کی ہے۔ اور وہ پس منظر میں رہا ہے۔ اُسے پس منظر میں رکھا گیا ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے اب کہ جب مینڈیٹ اختتام کو پہنچا۔ یہ مینڈیٹ والا عرصہ غالباً میں بیان کر چکا ہوں اس لئے اس کو اس حصے کے ساتھ ملا کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ مینڈیٹ جب ۱۹۴۸ء کو اختتام کو پہنچا تو انگریزوں نے جس طرح وہاں سے انخلاء کیا ہے اس کی کوئی مثال اور دکھائی نہیں دیتی۔ جب انہوں نے ہندوستان کو چھوڑا ہے تو اس وقت باقاعدہ اس بات کی تسلی کر لی گئی تھی کہ باقاعدہ DEMARKATION ہو۔ وہ خطے جو دو ملکوں میں تبدیل ہونے والے ہیں ان کے درمیان واضح تقسیم ہو باقاعدہ حکومتیں قائم ہوں لیکن انگلستان نے اپنے ملک چھوڑنے کے آخری دن تک ایسی کوئی کارروائی نہ خود کی نہ یونائیٹڈ نیشنز کو کرنے دی اور ساڑھے گیارہ بجے ان کے جہاز سب کچھ پیک کر کے فلسطین سے رخصت ہونے کے لئے روانہ ہوئے اور مینڈیٹ کے عطا کردہ اختیارات کے نتیجے میں برٹش تسلط کی جو حدود تھیں وہ سمندر میں جہاں تھیں عین بارہ بجے وہاں پہنچ کر انہوں نے رخصت کا بگل بجایا اور اس ملک کو اس طرح چھوڑ کر چلے گئے۔

یہ ایک بہت ہی ظالمانہ کارروائی تھی

جس کا سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں کو پہنچا۔ بہر حال مفادات کی یہ دو جنگیں ہیں جو مفادات کے نام پر لڑی گئیں اور آج کی تیسری جنگ بھی مفادات کی جنگ ہے۔ جس میں یہود بھی ایک کردار کے طور پر کھیل میں شامل ہیں اگرچہ یہود کو پس منظر میں رکھا گیا ہے اور امریکہ نے یہود کی نمائندگی لے لی ہے۔ دوسری قسم کی جنگیں مشرقِ وسطیٰ میں یہود کی توسیع پسندی کی جنگیں کہلا سکتی ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں جو توسیع پسندی کی لڑائیاں ہوئیں اس میں سارا الزام فلسطینیوں پر عائد کیا جاتا ہے اور ارد گرد کی مسلمان حکومتوں پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ حملے کرتی تھیں اس لئے یہود کو جوابی کارروائی کرنی پڑتی تھی اور مجبوراً اپنا علاقہ وسیع کرنا پڑا لیکن اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں جو یہود نے جارحانہ جنگ لڑی ہے یا اسرائیل نے جارحانہ جنگ لڑی ہے اس کا کسی قسم کا کوئی جواز نہیں۔ وہ خالصتہً توسیع پسندی کی جنگ تھی اور انتہائی ہولناک جنگ تھی چند دن کے اندر اندر انہوں نے مصر اور شام اور اردن کی طاقتوں کو کچل کے رکھ دیا اور اپنے علاقے کو اتنا وسیع کر لیا کہ جو علاقہ ان کو مینڈیٹ نے عطا کیا تھا اُس سے کئی گناہ زیادہ بڑھ چکا تھا۔ خصوصاً اس میں آپ

کے سامنے یہودی علاقے کی توسیع کا معاملہ رکھتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس حد تک یہود نے اپنے علاقے میں توسیع کی ہے اور کرتے چلے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

۱۹۳۷ء کی غالباً بات ہے کہ انگریزوں نے سنہ ۱۹۳۷ء کے بالفور ریزولیوشن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعداد و شمار میں پہلی دفعہ یہ بات کی کہ یہود کی حکومت کو کتنا علاقہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس فیصلے کی رُو سے

پانچ ہزار کلو میٹر کا علاقہ یہود کو دیا جانا چاہیئے

تھا۔ ۱۹۴۷ء کے آخر میں جو فیصلہ یونائیٹڈ نیشنز نے کیا اس میں ۵۰۰۰ کی بجائے بیس ہزار کلو میٹر کا رقبہ ان کو دیا گیا۔ یہ رقبہ دو سال کے عرصہ میں بڑھ گیا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور ۱۹۶۷ء کی جنگ کے آخر پر یہود کے قبضے میں رقبہ اٹھائیس ہزار کلو میٹر ہو چکا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ جو بات پانچ ہزار سے شروع ہوئی تھی کہاں تک پہنچی ہے۔ آخری جنگ جو اس علاقے میں موجودہ جنگ سے پہلے لڑی گئی وہ یوم کیپور کی جنگ کہلاتی ہے۔ یوم کیپور کی جنگ کو یہ مسلمانوں کی طرف سے عرب ممالک کی طرف سے جارحانہ جنگ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ شاید میں ۶۵ کی کہہ چکا ہوں اگر کہا ہے تو غلط ہے۔ سکسٹی سیون کی (NINETY SIXTY) کی جنگ جو چھ دن کی جنگ کہلاتی ہے گیارہ سال بعد لڑی گئی تھی۔ یہ یہود کی جارحانہ جنگ تھی جس کے نتیجے میں یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں آیا جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اٹھائیس ہزار کلو میٹر سے زیادہ رقبہ۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں یوم کیپور کی جنگ ہوئی۔ یوم کیپور یہود کا ایک مقدس دن ہے۔ اُس دن اچانک اسرائیل پر شام اور اردن کی طرف سے مشترکہ طور پر حملہ کیا گیا بیان یہ کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ خالصتہً عربوں کی جارحانہ جنگ تھی جس میں یہود بالکل بے قصور تھے یہ بات درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد یونائیٹڈ نیشنز نے اور یونائیٹڈ نیشنز کی سیکیورٹی کونسل نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس کا نمبر ہے ۲۴۲۔ اس ریزولیوشن کے نتیجے میں انہوں نے اسرائیل کی جارحانہ جنگ کی مذمت کرتے ہوئے متفقہ طور پر حکم دیا کہ اسرائیل اپنی فوجوں کو ان تمام علاقوں سے پیچھے ہٹائے جو اس جنگ کے نتیجے میں اس کے ہاتھ میں آئے ہیں اور ساتھ ہی یہ شوشہ بھی اُس ریزولیوشن میں چھوڑ دیا گیا جس طرح برٹش اور WESTERN DIPLOMACY کا طریق ہے کہ جب اس فیصلہ پر عملدرآمد کا وقت ہو تو کچھ اور بحثیں ساتھ چھیڑ جائیں اس میں شوشہ بھی ساتھ رکھا گیا کہ اس علاقے کی سب حکومتوں کا حق ہے کہ اُن کے امن کا تحفظ ہو اور ان کی ایسی شکل ہو جغرافیائی طور پر کہ گویا اُن کے امن کو خطرہ نہ پیش آئے۔ مطلب یہ تھا کہ اس بہانے جب بھی اس فیصلے پر عملدرآمد کا وقت آئے گا تو یہ کہا جائے گا کہ یہود کی بقا کا تقاضا ہے یا اسرائیل کی بقا کا تقاضا ہے کہ علاقے میں تبادلہ کرو اور ترمیم کرو۔ مگر اس کے کسی پہلو پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یونائیٹڈ نیشنز کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے امریکہ اور اس کے تمام اتحادیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ عراق پر حملہ کر دیں تو جن کا اپنا علاقہ تھا اور کویت تو ان کا اپنا علاقہ نہیں تھا جس کی خاطر یہ حملہ کیا گیا ہے جن قوموں کا اپنا علاقہ تھا وہ سالہا سال تک صبر کرتی رہیں یونائیٹڈ نیشنز کے فیصلے پر کسی نے عملدرآمد نہیں کروایا۔ ان کا حق تھا کہ اس علاقے کو لینے کی خاطر وہ فوجی کارروائی کریں۔ پس اس کو جارحانہ کارروائی کہنا جارحیت ہے بڑا ظلم ہے۔ یہ ایک مظلوم کمزور قوم کی ایک کوشش تھی کہ یونائیٹڈ نیشنز (UNITED NATIONS) کے فیصلے پر اگر کوئی اور عملدرآمد نہیں کرواتا تو ہم خود کوشش کر دیکھیں۔ پس یہ ہے وہاں کی جنگوں کی تاریخ اور اس میں یہ سب قومیں اب تک جو رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔

موجودہ جنگ میں جو باتیں کھل کر سامنے آئی ہیں اُن کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں مگر آپ کی یادداشت میں وہ تازہ ہوں گی۔ خلاصہ ان سب باتوں کا یہ نکلتا ہے۔ (مقاصد کے متعلق میں بعد میں بات کروں گا لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ) اسرائیل کو اس تمام پس منظر کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومیں یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جب چاہے جس ملک کے خلاف چاہے جارحانہ کارروائی کرے اور جارحانہ کارروائی کے نتیجے میں جو علاقے وہ ہتھیائے گا اس کے متعلق اگر یونائیٹڈ نیشنز یا سیکیورٹی کونسل فیصلہ بھی کریں گی کہ ان علاقوں سے دستبردار ہو جائے تو اسرائیل کو یہ حق حاصل ہے کہ دستبردار نہ ہو اور کسی دوسرے ملک کو یہ حق حاصل نہیں خواہ وہ مظلوم ملک ہو کہ یونائیٹڈ نیشنز کے اس فیصلے کی تعمیل میں اسرائیل سے وہ علاقے چھیننے کی کوشش کرے یہ حق حاصل ہے۔ اسی دوران ایک بات کا میں نے ذکر نہیں کیا کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک اسرائیل نے جدید دور میں دہشت گردانہ کارروائیاں یعنی TERRORIST کارروائیوں کا آغاز کیا اور MENACHEM BEGIN. اُس کے موجد ہیں اور ان TERRORIST کارروائیوں کے نتیجے میں ایک برٹش ڈپٹی گورنر تھے غالباً وہ بھی قتل کئے گئے۔ کنگ ڈیوڈ ہوٹل کو بارود سے اُڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک سو سے زائد آدمی مرے اور بے شمار تباہی پھیلی۔ فلسطینیوں پر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں تین ہزار فلسطینی مرد، عورتیں اور بچے ذبح کئے گئے۔ اور بار بار انگریزی حکومت سے بھی تصادم کیا گیا وجہ یہ تھی کہ اُس وقت لیبر (LABOUR) حکومت تھی اور لیبر حکومت کے مسٹر بیون (MR. BAVIN) جو فارن سیکرٹری تھے وہ اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور یہود زیادتی کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ہر کوشش کی کہ یہود کا ناجائز داخلہ فلسطین میں بند کیا جائے۔ چنانچہ ایک جہاز جس میں چار ہزار سے زائد یہود مہاجرین خلاف قانون فلسطین میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے مسٹر بیون کے حکم پر انگریزی فوج نے اس کا تعاقب کیا اور اس جہاز کو پکڑا اور واپس جرمنی پہنچا دیا۔ اس پر تمام جرنلسٹ دنیا نے اتنا شدید احتجاج کیا اور بیون کو گالیاں دیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک حکومت کے سپرد امانت کی گئی ہے کہ اس علاقے کو امانتاً اپنے پاس رکھو اور امانت کی شرائط میں یہ بات داخل کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ باہر سے یہود اس میں داخل نہیں ہوں گے اور اس پر عمل کروانے کے نتیجے میں جو ردّعمل دکھایا جاتا ہے برٹش جرنلزم کی طرف سے وہ حیرت انگیز ہے۔

ایک صاحب جنہوں نے کتاب لکھی ہے MAKING OF ISRAEL (میکنگ آف اسرائیل) ان کا نام غالباً جیمز[1] کیمرون ہے وہ یہ لکھتے ہیں۔ ”اتنا بھیانک ظلم! آپ سوچیں کہ ان چار ہزار یہودیوں کو جرمنی کی بدبخت اور ظالم زمین میں واپس کیا گیا ہے اور وہ بدبخت اور ظالم زمین میں ۱۹۴۷ء میں واپس کیا گیا ہے جنگ کے خاتمے کے تین سال بعد۔“ اگرچہ ابھی اتنی ظالم اور بدبخت زمین اُس وقت بھی تھی جب کہ نازی (NAZIS) شکست کھا چکے تھے اور جرمنی کو فتح کیا جا چکا تھا جب ان پر انگریز اور امریکن اور فرانسیسی قابض ہو چکے تھے تو پھر اس کے بعد یہود کو وہاں رہنے کا کیا حق ہے۔

بہرحال یہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے جرنلسٹ بھی ان کے ساتھ تھے اور جو ساری مغربی رائے عامہ تھی وہ یہود کا تحفظ کر رہی تھی تو TERRORISM یعنی ٹیررازم کی ایجاد دراصل یہود سے ہوئی ہے تو اس تاریخی پس منظر میں گویا کہ ایک حق یہود کا یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ یہود کو اجازت

[1] ان کا پورا نام: جیمز کیمرون JAMES CAMERON ہے

ہے کہ وہ ٹیررسٹ کارروائیاں کریں اور اس کا نام ہم یہودی ٹیررازم نہیں رکھیں گے لیکن مسلمان حکومتوں کو اپنے سیاسی مفادات کی خاطر کسی قسم کی TERRORIST کارروائی کی اجازت نہیں۔ اگر کریں گے تو ہم صرف ان کو ہی نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کریں گے اور کہیں گے اسلامک ٹیررازم (ISLAMIC TERRORISM) ہے۔

اور جو حقوق اُن کے تسلیم کئے ہوئے نظر آتے ہیں وہ میں آپ کو پوائنٹس کے طور پر بتاتا ہوں سیکیورٹی کونسل کی قراردادوں کو رد کرنے کا حق ہے یہود کو۔

اور یونائیٹڈ نیشنز کے تمام فیصلوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے اور اس طرح رد کرنے کا حق ہے جس طرح ایک پرزے کو پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔

اور کسی ملک کا حق نہیں ہے کہ یہود کی مذمت کرے اس بارے میں یہود کو حق حاصل ہے کہ اپنی بقا کے نام پر دوسرے ملکوں کے جغرافیے تبدیل کرے اور یہود کو حق ہے کہ وہ ایٹم بم بنائے اور ایٹم بموں کا ذخیرہ جمع کرے اور (MASS DESTRUCTION) میس ڈسٹرکشن کے ہتھیار مثلاً کیمیکل وار فیئر کے اور بیالوجیکل وار فیئر کے کیمیاوی ہلاکتوں کے اور جراثیم کی ہلاکتوں کے ہتھیار تیار کرے اور کسی کو حق نہیں کہ اسرائیل کو تنقید کا نشانہ بنائے لیکن کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں۔ یہ خلاصہ ہے اس تاریخی جدوجہد کا جس کا ذکر میں نے آپ کے سامنے کیا ہے۔

یہ بات قطعی ہے کہ اس پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے آج تک نہ آئندہ کی جائے گی۔ یہود کے یہ حقوق قائم رکھے جائیں گے اور مسلمانوں کی ان کے مقابلے میں حق تلفی ایک مستقل پالیسی کا نتیجہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ صدر بش کا نیو ورلڈ آرڈر (NEW WORLD ORDER) کا خواب کیا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب تک اس خواب کو نہ سمجھیں ہم ان کو صحیح مشورہ بھی نہیں دے سکتے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس جارحانہ تاریخی پس منظر کے نتیجے میں بش کا امن کا خواب دراصل امن کا خواب نہیں بلکہ

موت وارد کرنے کا خواب ہے

بعض لوگ غلطی سے موت کو امن سمجھ لیتے ہیں جس طرح میں نے وہ بیمار گھوڑے کی مثال کئی دفعہ بیان کی ہے۔

ایک گھوڑا بہت بیمار تھا جو بادشاہ کو بہت پیارا تھا بہت تڑپ رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا کہ جو اس کی موت کی خبر مجھے پہنچائے گا اس کو میں قتل کروا دوں گا۔ وہ خدا کی تقدیر چلتی تھی وہ بے چارہ مر گیا۔ ایک آدمی کو پکڑ کے بادشاہ کو خبر دینے کے لئے بھجوایا اس کو مجبور کیا کہ تم نہیں جاؤ گے تو ہم ماریں گے، بادشاہ کے ہاتھ سے مارا جانا زیادہ بہتر ہے۔ وہ سمجھدار آدمی تھا اس نے جاکر بادشاہ کو کہا کہ مبارک ہو آپ کا گھوڑا پوری طرح امن میں آگیا ہے بادشاہ بہت خوش ہوا کہ اچھا بتاؤ اور بتاؤ کہ کس طرح امن میں آگیا ہے۔ اس نے کہا اس طرح کہ پہلے تو اس کی چھاتی کی گڑگڑاہٹ کی آواز میل میل تک سنائی دیتی تھی اب تو میں قریب بھی گیا ہوں تو کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ اس کی دل کی دھڑکن سے لگتا تھا دھرتی دھڑک رہی ہے۔ زمین دھڑک رہی ہے اب میں نے کان لگا کے دیکھا بالکل آواز بھی کوئی نہیں تھی۔ [illegible] امن اور سکون ہے ایسا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ پھر یہ کیوں نہیں کہتے بدبخت! کہ مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور کہہ رہے ہیں تو میں نہیں کہہ سکتا

تو قصہ یہ ہے کہ جو امن کا خواب صدر بش مشرق وسطیٰ اور مسلمانوں کے ممالک کے لئے دیکھ رہے ہیں اس کی تعبیر موت ہے خواب خواہ امن کے نام پر ہو اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جہاں تک میں نے سوچا ہے وہ خواب یہ ہے کہ تیل کے امیر ملک سعودی عرب اور شیخ ڈم ریاستوں وغیرہ کو آمادہ کیا جائے گا کہ وہ بھیک کے طور پر اپنی تیل کی آمد کا ایک حصہ ان عرب ممالک میں تقسیم کریں جو تیل کی دولت سے محروم ہیں یا بہت تھوڑا تیل رکھتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں جس طرح امریکن ایڈز (AMERICAN AIDS) کے ذریعہ تیسری دنیا کے ملکوں کو غلام بنایا جاتا ہے عرب ملکوں کو بعض عرب ملکوں کا غلام بنا دیا جائے۔ اور اس کے نتیجے میں جو سٹرنگز (STRINGS) ایڈز (AIDS) کے ساتھ وابستہ ہوا کرتی ہیں اسی قسم کی سٹرنگز اس مالی امداد کے ساتھ بھی لگا دی جائیں۔ امریکہ کی مالی امداد جسے AMERICAN AIS کہا جاتا ہے ہمیشہ بعض سیاسی مصالح کی شرائط رکھتی ہیں جو امریکہ کے مفاد میں ہوتی ہیں اس ایڈ کے ساتھ بھی کچھ شرائط ہیں جو اسرائیل کے مفاد میں ہوں گی اور مغرب کے عمومی مفاد میں۔ وہ شرائط یہ ہوں گی کہ یونائیٹڈ نیشنز میں جھگڑا نہیں لے کے جانا۔ بلکہ یونائیٹڈ نیشنز سے باہر امریکن سرپرستی میں یہود کے ساتھ معاملات طے کرو۔ اور یہ ضمانت دو کہ آئندہ کبھی اس علاقے میں تم کسی قسم کی جنگ کی جرأت نہیں کرو گے۔ اس بات کی ضمانت دو کہ جہاں یہود ایٹمی اسلحہ بناتا رہے گا اور MASS DESTRUCTION کے دوسرے ہتھیار تیار کرتا رہے گا تم میں سے کبھی کوئی ایٹمی اسلحہ بنانے اور MASS ESTRUCTION کے ہتھیار بنانے کے خواب بھی نہیں دیکھے گا۔

یہ دو بنیادی نقوش ہیں

اُس امن کی خواب کے جو صدر بش نے دیکھی ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اسی طرح ہوگا۔ اس خواب کے بعض اور حصے بھی ہیں وہ ہو سکتا ہے پورے ہوں یا نہ ہوں۔ ایک حصہ یہود کو بعض اقدامات پہ مجبور کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہود کو یہ کہیں گے، یہود کہنا غلط ہے یہودیوں سے بعض بہت شریف النفس آج ایسے یہود بھی ہیں جو اسرائیل کے شدید مخالف ہیں اور ان کی پالیسیوں کو رد کرتے ہیں اور ان کو دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ خود یہود کے لئے بھی نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ پس جب میں لفظ یہود کہتا ہوں تو ہرگز مراد نہیں کہ یہود قوم کو بحیثیت مجموعی مرتد کر رہا ہوں میری مراد اسرائیل سے ہی ہوتی ہے۔ بہرحال اسرائیل [illegible] دلانے کی کوشش کریں گے یعنی خیال ہے ان کا۔ یہ گمان ہے خواب ہے کہ وہ گولان ہائیٹس کا علاقہ خالی کر دے اور JORDAN کے مغربی کنارے کا علاقہ خالی کر دے اس کے نتیجے میں وہ وہاں صلح کروائیں گے۔ یہ بات قطعی ہے کہ گولان ہائیٹس کا پورا علاقہ اسرائیل کسی قیمت پر خالی نہیں کرے گا۔ اور یہ بات قطعی ہے میرے نزدیک کہ جورڈن کے مغربی کنارے سے جو یہود کا تسلط ہے وہ اس کو ختم نہیں کرے گا لیکن اس کے باوجود ان کے تمام اتحادی یعنی تمام عرب مسلمان اتحادی اس کی کارروائیوں سے راضی ہوں گے اور جس سمجھوتے کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں شامل ہو جائیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ مغربی کنارے پر یہود کے تسلط کا نقصان صرف فلسطینیوں کو اور شرق اردن کو ہے اور فلسطینیوں اور شرق اردن کی خاطر امریکہ یہود کو ناراض کرے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور دوسرا اس لئے کہ علاوہ باہر سے مزید یہود لاکر آباد کروانے کا منصوبہ ایک بڑا بھاری منصوبہ ہے جس پر بہت حد تک عملدرآمد ہو چکا ہے اور مستقل یہودی آبادیاں قائم کی گئی ہیں۔ اس لئے بھی اگر امریکہ چاہے تو بھی وہ اس علاقے کو خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔

اور اب تک جو اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات ظاہر ہوئے

ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ صدر بُش کی مجال نہیں ہے کہ اسرائیل کو ناراض کرنے کی جرأت کریں۔ جب اسرائیل پر سکڈز کا حملہ ہوا تو صدر بُش نے بار بار اسرائیل کے پریذیڈنٹ کو فون کئے اور منت سماجت کی اور اپنے چوٹی کے صاحب اختیار نمائندے وہاں بھجوائے اس بات پر اسرائیل کو آمادہ کرنے کے لئے کہ

فوری طور پر اپنا انتقام نہ لو

اس واقعہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت سب دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ چند سکڈز کے نتیجے میں دو بوڑھی عورتیں مری ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ دو تین سو سے زیادہ لوگ زخمی نہیں ہوئے اس کو نہایت ہی ہولناک، ایک طرفہ جارحانہ کارروائی قرار دیا گیا جبکہ اس سے پہلے اسرائیل نے عراق کے ایٹمی توانائی کے پلانٹ کو بغیر کسی نوٹس کے اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے بمبارڈ (BOBARD) کر کے کلیتہً بالکل برباد کر دیا اور اس حملے کو کسی نے جارحانہ حملہ قرار نہیں دیا۔ گویا اسرائیل کو تو یہ حق ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تم جارحانہ کارروائی کرو اور دوسروں کے ملکوں میں جا کے بمباری کرو، نہ یونائیٹڈ نیشنز کو اعتراض کا اختیار ہے نہ کسی اور ملک کو۔ اور جس پر بمباری کی جاتی ہے اُس کو جوابی کارروائی کا بھی اختیار نہیں۔ پس اگر اور کچھ نہیں تو سکڈ میزائل کے حملے کو عراق کی جوابی کارروائی قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ بات بھی اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ جوابی کارروائی کا فوراً ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ذرا تھوڑا سا اور غور کریں تو اسرائیل اور امریکن تعلقات خوب کھل کر نظر کے سامنے آجاتے ہیں

صدر بُش نے بار بار فون پر رابطے کئے۔ منتیں کیں، بڑے نرم لہجے میں درخواستیں کیں کہ کوئی فوری کارروائی اس کے ردِّ عمل کے نتیجے میں نہ کرنا۔ بعد میں اپنے نمائندے بھیجے جن کے ذریعے گفت و شنید ہوئی اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر تم کوئی فوری کارروائی نہ کرو تو ہم تمہاری طرف سے زیادہ سے زیادہ انتقام لینے کی کوشش کریں گے اور جو سویلینز (CIVILIANS) پر بمباریاں ہوئی ہیں اور لاکھوں معصوم شہید ہوئے ہیں اور جن کے گھر برباد کئے گئے، یہ دراصل اسرائیل کی انتقامی کارروائی الائیڈز نے اپنے ذمے قبول کی تھی اور اسی پر عملدرآمد ہوا ہے۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے علاوہ ہم تمہیں نو بلین ڈالر بطور اقتصادی مدد کے دیں گے۔ آپ اندازہ کریں نو بلین ڈالر کی رقم تو ایک دولت کا پہاڑ ہے اور کس چیز کے بدلے۔ اس چیز کے بدلے کہ وہ انتقامی کارروائی سے باز آجائے؟ نہیں۔ بار بار اس کو یقین دلایا گیا ہے کہ یہ صرف وقتی طور پر انتقامی کارروائی ٹالنے کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد تمہیں حق حاصل ہے کہ جب چاہو، جس طرح چاہو، جس زمانے میں چاہو تم اس جارحیت کا بدلہ لو۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اسرائیل کا یہ حق تسلیم کیا جا چکا ہے کہ وہ جارحانہ کارروائیاں کرے اور کوئی ملک اس کے خلاف مدافعانہ کارروائی بھی نہ کرے اور اگر وہ مدافعانہ کارروائی کرے گا تو اس کے خلاف ساری دنیا کی طاقتیں جارحانہ کارروائی بھی کریں گی اور اسرائیل کا جارحانہ کارروائی کا حق باقی رہے گا۔ اور وہ کب اور کس طرح پورا ہوتا ہے یہ ابھی دیکھنے والی بات ہے۔

تو یہ ہے نیو ورلڈ آرڈر (NEW WORLD ORDER) جس کا خواب صدر بُش نے دیکھا ہے۔ اور جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے دنیا ہمیشہ کے لئے امن کی ضمانت ہو جائے گی۔ اس خواب کے کچھ اور حصے بھی ہیں،

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ اسرائیل تو کسی قیمت پر بھی مغربی علاقہ خالی نہیں کرے گا لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ مشرقی علاقے پر قبضہ کرنے کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے۔ مجبوری کے تحت بادشاہ حسین ہیں وہ نیوٹرل رہے اور انہوں نے صرف یہ قصور کیا ہے کہ دو تین دن پہلے اپنی پریس کانفرنس میں یا تقریر میں اس بات پر سخت اظہار افسوس کیا ہے کہ اتحادیوں نے معصوم عراقی شہریوں کو تباہ و برباد کیا اور بڑا بھاری ظلم کیا۔ ان کا یہ تبصرہ خود مغربی اتحادیوں کے اعلانات کے نتیجے میں ہے جو انہوں نے فوجی حالات کے متعلق خود خبرنامے جاری کئے ہیں ان سے یہ تصویر قائم ہوتی ہے یعنی اگر ہر ایک منٹ پر ایک جہاز بمباری کرنے کے لئے اڑ رہا ہو اور یہ تسلیم کرتے ہوں کہ عراق میں اتنی بمباری کی جا چکی ہے جو آج تک دنیا کی تاریخ میں کسی جنگ میں اس طرح نہیں کی گئی۔ اور ویت نام اس کے مقابل پر کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ کسی ملک کا نتیجہ نکالنا کہ لاکھوں سویلینز یعنی شہری اس سے متاثر ہوئے ہونگے یہ صدر بُش کے نزدیک امریکہ کی بھی ہتک ہے اور اسرائیل کی بھی گستاخی ہے۔ اور وہ ان کو متنبہ کرتے ہیں شاہ حسین کو کہ خبردار آئندہ سنبھال کر بات کرو۔ تمہیں پتہ نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو! تمہیں کس نے حق دیا ہے اس قسم کی تنقید کرنے کا؟ اس کے منذر پہلو بھی تو ہوتے ہیں کچھ تو انہوں نے امن کی خواب بھی مورت دیکھی ہوئی ہے کچھ خواب کے انذاری پہلو بھی ہیں اور انذاری پہلو میں میرے نزدیک یہ بات داخل ہے کہ مشرقی اردن کے اوپر حملے کا بہانہ بنایا جائے گا اور یہودی حکومت کو دریا کے اس کنارے پر ہی نہیں دوسرے کنارے کی طرف بھی ممتد کر دیا جائے گا۔ یہ جو میرا اندازہ ہے اس کے پیچھے بہت سے تاریخی رجحانات ہیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ شروع دن سے آج تک یہودی مسلسل وسعت پذیر ہیں یعنی توسیع پسندی کی پالیسی محض تعداد بڑھانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقبہ بڑھانے کے لحاظ سے بھی ہے۔ اور جو آغاز میں یہود نے اسرائیل کا خواب دیکھا تھا وہ خواب یہ تھا کہ تمام دنیا کے مظلوم علاقوں سے یہود کو اکٹھا کر کے یہود کی ایک آزاد مملکت میں جمع کر دیا جائے۔ اس وقت آبادی کی نسبت یہ ہے یعنی تفصیل تو میں نہیں بتاؤں گا دو تین ملکوں کی آبادی بتاتا ہوں۔

اسرائیل میں اس وقت یہودی پچیس [25] لاکھ ہیں اس کے علاوہ امریکہ میں پچاس لاکھ یہودی ہے اور روس میں پچیس لاکھ بیان کئے جاتے ہیں اس وقت روسی یہودیوں کو بلا کر اسرائیل میں آباد کرنے کا پروگرام شروع ہے جس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے تک پچیس لاکھ مزید یہودی یعنی موجود تعداد سے دگنے اس ملک میں آباد کئے جائیں گے۔ اس کے لئے زمین بھی پھر اور چاہیئے۔ یہ ظاہری اور طبعی بات ہے تو جتنی زمین اس وقت ان کے پاس ہے اس سے کافی تعداد میں زیادہ زمین ہو تب جا کر یہ خواب پورا ہو سکتا ہے۔ پھر امریکہ کے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے اور یورپ کے دوسرے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ اس ضمن میں بعض باتیں میں آئندہ خطبے میں آپ کے سامنے رکھوں گا مگر مختصراً یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کے قیام کے مقاصد کی اوّلین وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ مغربی ملکوں میں یہود محفوظ نہیں ہیں اور انہوں نے ہمیشہ یہود کو ایک طرح ظلم کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔ اگر یہی مقصد تھا اسرائیل کے قیام کا تو جتنے مغربی ممالک میں یہود ہیں جب تک اُن کے لئے فلسطین کے گردوپیش جگہ نہ بنائی جائے اس وقت تک یہ خواب پورا نہیں ہوتا۔

اور موجودہ رجحان یہی بتا رہا ہے کہ اس طرح یہ آگے بڑھ رہے

ہیں۔ تو صدر بُش کے خواب میں غالباً انذاری پہلو یہ بھی داخل ہے کہ شرق اردن کے دوسرے حصے پر بھی قبضہ کر لیا جائے۔ اور بعد میں یہ خواب کس طرح آگے بڑھے گا اور دنیا کو کس حد تک اپنی لپیٹ میں لے گا وہ لمبی باتیں ہیں مختصراً بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد باریوں کی بات ہے۔

جب تک مسلمان طاقتیں ایک کے بعد دوسری تباہ و برباد نہ ہو جائیں اس وقت تک صدر بُش کے امن کا یہ خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے بعد کس کی باری ہے یہ نہیں میں کہہ سکتا۔ پاکستان کی ہے یا شام کی ہے۔ پاکستان بھی نیوکلیئر طاقت بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ (بن چکا ہے یا نہیں)۔ یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے لیکن پاکستان کو تباہ کروانے کے لئے کئی ذرائع موجود ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ ہے۔ سکھوں کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان کو انگیخت کیا جاسکتا ہے۔ چھٹی دی جا سکتی ہے دفاعی امداد اور اقتصادی امداد روک کر اس طرح بیکار اور نہتہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی طاقت کے جواب کی پاکستان میں طاقت نہ رہے۔ کئی قسم کے منصوبے ہو سکتے ہیں لیکن خطرہ ضرور ہے۔ شام کو لازماً خطرہ ہے کیونکہ شام ایک بہت بڑی طاقت بنا ہوا ہے۔ اور شام کی بڑی سخت بیوقوفی اور غلطی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس وقت اتحادیوں کے ساتھ شامل ہونے کے نتیجے میں آئندہ شام محفوظ ہو چکا ہے جب تک اسرائیل موجود ہے شام محفوظ نہیں ہے۔

اور پھر ایران کو خطرہ ہے اور پھر ترکی (TURKY) کو خطرہ ہے اور ایران اور TURKY کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواب اس طرح پورا کیا جائے گا کہ TURKY اور ایران کے درمیان آپس میں مخاصمت جو پہلے بھی ہے بڑھائی جائے گی اور اس کے نتیجہ میں کسی وقت آئندہ ان دونوں مسلمان ملکوں کے درمیان اسی طرح لڑائی کروائی جائے گی جس طرح خود امریکنوں نے اور اتحادیوں کی مخفی تائید کے نتیجے میں میں سمجھتا ہوں کہ عراق کو انگیخت کیا گیا تھا کہ وہ ایران پر حملہ کرے اور امریکہ کے اتحادی عرب ممالک نے اس کی ہر طرح مدد کی اور امریکہ کے اتحادی مغربی ممالک نے عراق کو مسلح کرنے میں اور اس کے MASS DESTRUCTION کے ہتھیار بنانے کے سلسلہ میں پوری مدد کی ہے تو خواب کا جو پس منظر ہے وہ یہ ہے۔ پس خواب جس سمت میں آگے بڑھے گی اور پھیلے گی وہ سمت بھی اسی پس منظر کے نتیجے میں ہمیں دکھائی دینے لگی ہے اور خواب آخر پر اس طرح پوری ہوگی کہ پہلے جس طرح ایک مسلمان طاقت کو دوسری مسلمان طاقت کو برباد کرنے کے لئے استعمال کیا گیا اور طاقت بنایا گیا پھر اس بنائی ہوئی طاقت کو برباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور دوسرے مسلمان ممالک کو اس میں شامل کیا گیا۔ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا؟ اسی طرح جو بچی کھچی طاقت پر مسلمان حکومتیں ہیں ان کو یکے بعد دیگرے برباد کیا جائے گا۔ یہ وہ موت کا خواب ہے جو صدر بُش نے دیکھا ہے اور جسے وہ PEACE کا خواب کہتے ہیں۔

عراقیوں اور دیگر فلسطینیوں وغیرہ مسلمان مظلوموں یعنی عرب مسلمانوں کے خون سے جس طرح یہ ہاتھ رنگے جا چکے ہیں اس پر مجھے میک بیتھ (MCC BETTH) کی چند لائنیں یاد آگئیں۔ لیڈی میکبیتھ (LADY MCC BETTH) جس نے اپنے خاوند کو بادشاہ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اس کے خاوند میک بیتھ نے بادشاہ کو جو غالباً سکاٹ لینڈ کا تھا بہرحال اس وقت کے بادشاہ کو قتل کیا اور سوتے کی حالت میں قتل کیا۔ اس کے بعد لیڈی میک بیتھ کو نفسیاتی ردّ عمل ہوا اور وہ سمجھتی تھی کہ اصل قاتل میں ہوں تو نفسیاتی بیماری کے نتیجے میں وہ ہر وقت ہاتھ دھوتی رہتی تھی کہ میرے ہاتھ سے خون کی بُو آرہی ہے اس بُو کے سلسلے میں وہ کہتی ہے:-

"HERE IS THE SMELL OF THE BLOOD STILL"

میں اتنی دفعہ ہاتھ دھو چکی ہوں اور خون کی بُو جاتی ہی نہیں ہے ابھی بھی آرہی ہے۔

"ALL THE PERFUMES OF THE ARABIA WILL NOT SWEETEN THIS LITTLE HAND"

عرب کی تمام خوشبوئیں مل کر بھی میرے اس چھوٹے سے ہاتھ کی بُو کو مٹھاس میں تبدیل نہیں کر سکیں گی۔ یہ کڑوی خون کی بُو آتی ہی رہے گی۔

صدر بُش کا معاملہ اس سے کچھ برعکس ہے مسلمان عرب خون سے جو اُن کے ہاتھ رنگے گئے ہیں میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی کڑوی بُو کبھی امریکہ اور اس کے ساتھیوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور تمام دنیا کی پرفیومز (PERFUMES) بھی عرب خون کی اس بُو کو مٹا نہیں سکیں گی اور اس کی کڑوی بُو کو مٹھاس میں تبدیل نہیں کر سکیں گی۔ جہاں تک ان کی پیس کی خواب کا تعلق ہے وہ بھی میں میک بیتھ ہی سے میک بیتھ کی ایک سولیلوکی SOLILOQUY وہ اونچی زبان میں اپنے دل کی حالت بیان کر رہا ہے اس کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں جو ان کی صورتحال پر صادق آتی ہے یہ SOLILOQUY۔ وہ سونے کی کوشش کرتا ہے اور نیند اڑ گئی ہے۔ اس کے ضمیر پر ایک سوتے ہوئے بادشاہ کے قتل کا بوجھ اتنا زیادہ ہے اور اس کا ضمیر اس قدر بے چین ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا چنانچہ اس کی راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے۔ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:-

"ME THOUGHT. I HEARD A VOICE CRY. SLEEP NO MORE MCC BETTH DOES MURTHER SLEEP"

[illegible] زبان میں MURDER کو MURTHER لکھا جاتا تھا آج یہاں MURTHER سے مراد ہے یعنی MURDER

"ME THOUGHT" اس کا مطلب یہ ہے۔ وہ کہتا ہے میں سمجھتا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے لگتا ہے، مجھے گمان گزرتا ہے "I HEARD A VOICE" کہ میں نے ایک چیخ سنی "CRY SLEEP NO MORE" ہے جو یہ کہہ رہی تھی کہ اب کبھی نہیں سونا۔ اب کبھی نہیں سونا MCC BETTH DOES MURTHER SLEEP — دیکھو میک بیتھ نے نیند کو قتل کر دیا ہے چونکہ بادشاہ سویا ہوا تھا اس لئے اس حالت میں اس کو مارنا اس کے نفسیاتی دباؤ کے تابع اس سے بہتر رنگ میں ظاہر نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ سوچ رہا ہے کہ میں نے نیند کو مار دیا ہے۔ جب نیند کو مار دیا ہے تو پھر مجھے نیند کہاں سے آئے گی۔ تو ایک لفظ کی تبدیلی سے امریکہ اور صدر بُش کے خواب پر ان سطور کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ

"ME THOUGHT I HEARD A VOICE CRY PEACE NO MORE U.S DOES MURTHER PEACE"

مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک چلانے والے کی آواز یہ سنائی دے رہی ہے۔ کہ اب اس خطے میں یا دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا اگر یہ خواب پوری ہو گئی اس شرط کے ساتھ میں کہہ رہا ہوں تو میں یہ آواز سن رہا ہوں کہ اس خطے میں اب کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا یونائیٹڈ سٹیٹس نے امن کو ہمیشہ کیلئے قتل کر دیا ہے۔ اسکے نتیجے میں کیا ہو سکتا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں ان قوموں کو کیا مشورے دیئے جا سکتے ہیں کہ جو ہلاکت کے قدم پر آگے بڑھا چکے ہیں انکو کس طرح واپس کریں اس سلسلے میں انشاءاللہ میں آئندہ خطبے میں آپ سے مخاطب ہونگا۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اس مضمون کو ختم کروں اور واپس اپنے اصلی اور تحقیقی اور دائمی مضمون کی طرف آ جاؤں یعنی احمدیوں کو عبادتیں کس طرح کرنی چاہئیں اور عبادتوں میں کس طرح لذت پیدا کرنی چاہیئے

خطبہ جمعۃ المبارک

خدا کی طرف حمد صرف لفظوں سے منسوب کی جاتی ہو اور فی الحقیقت خدا کی کائنات میں

دوسری مختلف چیزیں انسان کی نظر میں محمود بن گئی ہوں قابل حمد بن گئی ہوں تو جب

وہ خدا کے حضور روتا ہے تو حمد کی وجہ سے نہیں روتا وہ اسی وجہ سے روتا ہے کہ اسکی طلب نہیں پوری ہوئی

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ ۳۰ / نبوت (نومبر) ۱۳۶۹ ہش / ۱۹۹۰ء بمقام مسجد فضل لندن

مکرم منیر احمد صاحب جاوید مبلغ سلسلہ دفتر P.S لندن کا قلمبند کردہ یہ بصیرت افروز خطبہ جمعہ ادارہ "بدر" اپنی ذمہ داری پر ہدیۂ قارئین کر رہا ہے۔
(ایڈیٹر)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

بہت سے دوست مختلف ممالک سے جو خطوط لکھتے ہیں ان میں بارہا اس سوال کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تکرار سے بار بار مختلف دوستوں کی طرف سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ عبادت میں مزا پیدا کرنے کی کیا ترکیب ہے؟ بعض لوگ علمی پیاس بجھانے کی خاطر بغیر کسی ہیجان کے لکھتے ہیں اور بعض معلوم ہوتا ہے شدید اعصابی دباؤ کا شکار ہیں۔ بہت کوشش کرتے ہیں۔ بہت زور مارتے ہیں لیکن عبادت میں مزا نہیں آتا۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو عبادت کے بیرونی دروازے تک پہنچ چکے ہوتے ہیں اور عبادت کو چھوڑ کر جانے کا قصد کر چکے ہوتے ہیں اور وہ گویا جیسے آخری تنبیہ کر رہے ہوتے ہیں کہ ابھی بھی ہمیں سمجھاؤ اور بتاؤ ورنہ پھر اگر ہم نے عبادت سے منہ موڑ لیا تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

مختلف دوستوں کو میں مختصراً مختلف جواب دیتا ہوں لیکن یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ باوجود اس کے کہ اس سے پہلے بھی اس پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مختلف پہلوؤں سے، مختلف زاویوں سے بار بار اس مضمون کو جماعت کے سامنے کھولنا چاہیئے۔ آج کے خطبے میں میں سورۃ فاتحہ کے نقطۂ نگاہ سے اس پر روشنی ڈالوں گا۔

سورۃ فاتحہ میں درحقیقت تمام سوالات کا حل ہے اور کوئی بھی ایسی مشکل نہیں جسے یہ کشا نہ کر دے۔ اسی لئے اس کا نام فاتحہ رکھا گیا۔ یعنی ہر چیز کو کھولنے والی چابی۔ اگر آپ اس سورۃ پر غور کریں تو کوئی دنیا کا ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی کنجی آپ اس میں نہیں پائیں گے۔ مختصر تعارف اس کا یہ ہے کہ اسے اُمّ الکتاب بھی کہا گیا ہے یعنی قرآن کریم کی ماں ہے اور اور بھی بہت سے اس کے نام ہیں۔ اس کی سات آیات ہیں اور سات ہی مضامین ہیں جن پر یہ مشتمل ہے اور ہر انسان اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کو ادا کرتا ہے۔ یہ وہ سورۃ جو ہر مسئلے کا حل اپنے اندر رکھتی ہے خود اس کے متعلق بھی سوال اُٹھتے ہیں اور اٹھائے جاتے ہیں کہ ایک ہی سورۃ ہم مسلسل پڑھتے چلے جائیں تو آپ خود ہی کہیں گے کہ اس میں یکسانیت اور ہر روز کی ردیت نہیں ہوگی۔ ایک ہی جیسے الفاظ۔ عیسائی تو ہفتے میں ایک دفعہ یعنی اتوار کے دن جا کر کچھ گیت یا کوئی باتیں دُہراتے ہیں لیکن مسلمان ہر روز ہر نماز میں جو پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور اس کی

ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا اعادہ

ضرور کرتا ہے اور اس کو تکرار سے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک ہی کھانا اگر روز کھایا جائے تو انسان تنگ آجاتا ہے۔ دیکھئے یہود اسی وجہ سے کتنی بڑی ٹھوکر کھا گئے تھے کہ مسلسل کھانا خدا کی نعمت کے خلاف بغاوت کی کہ ہم ایک نعمت پر ہمیشہ کے لئے راضی نہیں رہ سکتے۔ ہمیں تو مختلف قسم کے کھانے دیئے جائیں۔ کون انسان روزانہ ایک کھانا کھا سکے۔ اس مصیبت سے تو مذہب سے دور ہٹنا ہی بہتر ہے۔ جب تحریک جدید کا آغاز ہوا تو احمدیوں کے لئے بھی کچھ اسی قسم کا ابتلاء آیا تھا۔ عموماً تو ایک کھانے پر راضی ہوتے ہی ہیں لیکن تحریک جدید نے جب ایک کھانا کھانے پر کثیر افراد کو بھی اس کا پابند کر دیا۔ لیکن اس میں اور یہود کے ابتلاء میں ایک بہت بڑا فرق تھا۔ یہود کا ابتلاء یہ تھا کہ ایک کھانا اور روزانہ ایک ہی کھانا۔ قسم میں بھی تبدیلی نہیں ہوگی لیکن تحریک جدید کے پروگرام میں تو روزانہ آپ صبح سے شام، شام سے صبح قسمیں تبدیل کر سکتے تھے تو بہت بڑے ابتلاء میں وہ ڈالے گئے تھے اور آخر ایک بڑا حصہ اس میں ناکام رہا۔ کچھ بعید نہیں کہ اس میں بھی وہی مضمون ہو جو سورۃ فاتحہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر ایک کھانا بھی ان کو دیا گیا ہوگا لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ روحانی غذا کا ذکر زیادہ ہے۔ کوئی ایسی روحانی غذا ان پر لازم کی گئی جسے انہیں ہمیشہ باقاعدہ تکرار کے ساتھ دُہراتے چلے جانا تھا اور جس سے چمٹے رہنا تھا۔ پس

ظاہری طور پر بھی ایک کھانا اور روحانی لحاظ سے بھی ایک کھانا یہ تو بہت ابتلاء میں مبتلا ہو گئے۔

قرآن کریم نے جب سورۂ فاتحہ کو اُمّ الکتاب قرار دیا اور بار بار دُہرائی جانے والی آیات قرار دیا تو یہی مضمون ہے جس کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے ہر نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھنا فرض قرار دے دیا اور بار بار دُہرائی جانے لگی یعنی نمازوں میں یہ اُمّ الکتاب یہ سورۂ فاتحہ بار بار دُہرائی جانے لگی۔

اب میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ یہ وہ ایک ایسی بار بار پڑھی جانے والی سورۃ ہے جس کے اندر اس کے متعلق اُٹھائے جانے والے سارے سوالات کا جواب ہے۔ سورۂ فاتحہ کی اس مناسبت کے ساتھ تفسیر کرنا جو میں ذکر چلا رہا ہوں بہت ہی زیادہ وقت چاہتا ہے لیکن میں کوشش کرتا ہوں کہ مختصر وقت میں اس مضمون کا تعارف آپ سے کروا دوں تاکہ بعد میں آپ سوچتے رہیں اور اس سے استفادہ کریں جو

سات مضامین

اس میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے چار صفات باری تعالیٰ ہیں۔ اور ایک عبادت کا ذکر ہے اور ایک استعانت ہے یعنی مدد مانگنا اور ایک ہدایت کا ذکر ہے یعنی ہدایت طلب کرنا۔ یہ سات باتیں اس میں بیان ہوئی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ یہاں جو لفظ "الحمد" ہے اس کا اس سارے مضمون سے تعلق ہے۔ صفات باری تعالیٰ میں چار ہیں لیکن حمد ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک دائمی لازمی ہمیشہ کا تعلق رکھتی ہے اور جو بھی جتنے مضامین بیان ہوئے ہیں ان سب کا حمد سے تعلق ہے۔ پس حمد سورۃ فاتحہ کا ایک رنگ ہے۔ اسی لئے اسے الحمد بھی کہا جاتا ہے۔ جہاں تک حمد کا تعلق ہے یہ چونکہ ہر مقام شکر پر ادا کی جاتی ہے اس لئے جب بھی ہم نے خدا کا شکر ادا کرنا ہو تو الحمد کو شکر کے معنوں میں بھی ادا کرتے ہیں یعنی جب بھی کہنا ہو۔ اے خدا! ہم تیرے بے حد ممنون ہیں تو نے بہت احسان کیا، تیرا شکریہ۔ تو الحمد للہ منہ سے نکلتا ہے گویا حمد اور شکر دونوں ہم معنی ہو گئے اور کثرت استعمال نے یہ معنے حمد کو عطا کر دیئے ہیں۔ تو سب سے پہلی بات جو سورۃ فاتحہ ہمیں بتاتی ہے جس کا سارے سورۃ فاتحہ کے مضمون سے تعلق ہے وہ حمد ہے۔ اگر حمد کا لفظ بغیر سوچے ادا کر دیا جائے تو باقی سارے مضامین خالی رہیں گے کیونکہ حمد کا دروازہ وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر سورۃ فاتحہ کے باقی مضامین سمجھ آتے ہیں اور ان میں رس بھرتا ہے تو

پہلی نصیحت

تو یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ جب پڑھتے ہیں تو لفظ الحمد پر ٹھہر کر غور تو کیا کریں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ سب تعریف، ہر قسم کی تعریف، مکمل تعریف خدا ہی کے لئے ہے۔ ایسا شخص جس کو نماز میں مزا نہیں آتا اس کے قبلے جدا ہوتے ہیں۔ اس کی لذت یابی کی راہیں الگ ہوتی ہیں۔ اس کے سامنے کوئی دوست ہوتا ہے۔ کوئی مطلوبہ چیز ہوتی ہے۔ کوئی اور ایسی طلب ہوتی ہے جس کے ساتھ اس نے اپنی حمد کو وابستہ کیا ہوتا ہے۔

پس لذت تو وہاں آتی ہے جہاں لذت کا قبلہ ہو۔ اگر قبلہ اور طرف ہو اور آپ کا منہ اور طرف ہو تو آپ کو بے چینی پیدا ہوگی لذت نہیں آئے گی۔ پس لفظ حمد پر غور کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا ایک آسان طریق یہ ہے کہ اپنی ذات کا تجزیہ کیا جائے اور انصاف کے ساتھ اور تقویٰ کے ساتھ انسان پہلے یہ تو معلوم کرے کہ مجھے کون کون سی چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں جن سے مجھے پیار ہے۔ ان چیزوں کو اگر نماز کے ساتھ باندھ دیا جائے تو نماز بھی پیاری لگنے لگے گی۔ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے حقیقت میں انسان کو بڑی وسیع نظر سے اپنی ساری زندگی اور اس کے مقاصد کا جائزہ لینا پڑے گا اور وسیع نظر سے ہی نہیں بلکہ گہری نظر سے بھی۔ اور جب انسان اپنے حمد کے مقامات کا تعین کرے کہ میرے نزدیک یہ چیز باعث حمد ہے یہ چیز قابل حمد ہے۔ یہ چیز تعریف کے لائق ہے تو اس وقت الحمد للہ کا ایک اور مضمون اس کے سامنے ابھرے گا۔ وہ جب غور کرے گا تو جو چیز بھی اس کو اچھی لگتی ہے اس کو اچھا بنانے میں خدا کی تقدیر نے کام کیا ہے اور خدا چاہے تو اسے اچھا رکھے گا۔ جب چاہے گا وہ اچھی نہیں رہے گی اور اس کی اچھائی ذاتی نہیں اور دائمی نہیں۔ بعض دفعہ ایک چیز ایک خاص حالت میں اچھی لگتی ہے۔ اچھا نیا بنا ہوا گھر بہت ہی خوبصورت لگتا ہے۔ اس کے ساتھ انسان کی طبعی حمد وابستہ ہو جاتی ہے لیکن پچاس، ساٹھ، ستر سال کے بعد جب اس کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں، جب وہ جراثیم سے بھر جائے، ہر طرف اس کا رنگ اُجڑ جائے۔ اس کا نقشہ بدلنے لگے۔ چھتیں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں تو اسی گھر سے وحشت ہوگی۔ حمد رفتہ رفتہ اس کو چھوڑ دے گی۔ ایک خوبصورت چیز سے محبت ہے۔ جب تک اس کی خوبصورتی قائم ہے۔ اس وقت تک طبعاً اس کی طرف رغبت ہوگی اور جب خوبصورتی مٹ جائے تو پھر انسان اس سے متنفر ہو کر دور بھاگنے لگتا ہے یا اگر وہ صاحب وفا ہے تو ایک اور صفت اس کے کام آتی ہے اور وفا اس کو اس کے ساتھ تعلق قائم رکھنے پر مجبور کرتی چلی جاتی ہے لیکن وہ طبعی بے اختیار محبت جو حسن کے ساتھ وابستہ ہے وہ ویسی نہیں رہ سکتی۔ اسی لئے وفا اور جفا میں یہی فرق ہے۔ حسن اگر ہوگا تو نہ وفا کی ضرورت ہے نہ جفا کا سوال۔ جب حسن مٹ جائے یا پیچھے ہٹنے لگے تب یہ دو مضامین آگے بڑھتے ہیں اور صاحب وفا کا تعلق اس چیز سے قائم رہتا ہے جو حسن چھوڑ بیٹھی ہے اور صاحب جفا اس سے آنکھیں بدل لیتا ہے۔ تو امر واقعہ یہ ہے کہ الحمد للہ کی ایک تفسیر ان چیزوں پر غور کرنے سے بھی آپ کے سامنے ابھرے گی۔ جو چیز بھی آپ کو پیاری ہے اس پر آپ غور کر کے دیکھ لیں، اس کا حسن دائمی نہیں۔ اس کی لذت دائمی نہیں ہے۔ مثلاً اگر اس میں لذت موجود بھی ہو تو سیری کے بعد آپ کی نظر میں اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ جو چاہیں مزیدار کھانا آپ کھائیں، آپ کو میسر ہو کثرت کے ساتھ۔ عین آپ کی خواہشات کے مطابق تیار ہوا ہو۔ جب پیٹ بھر جائے گا تو اس کی حمد ختم ہو جائے گی۔ دوبارہ جب آپ کو کوئی دے گا تو آپ پہلے تو تکلف سے مسکرا کر کہیں گے کہ نہیں نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وہ زبردستی کھلائے گا تو آپ کا دل چاہے گا کہ اس کو جوتیاں ماریں کہ اس نے کیا مصیبت ڈالی ہوئی ہے۔ بچے چونکہ بے تکلف ہوتے ہیں وہ صاف ماؤں کے منہ پہ بات مارتے ہیں کہ بس نہیں کھانا۔ جو مرضی کر لیں تو حمد حسن کے ہوتے ہوئے بھی ختم ہو جایا کرتی ہے لیکن ایک ذات ہے جس نے وہ حمد ان چیزوں میں رکھی ہے۔

اُس کی حمد دائمی ہے۔

وہ ذاتی حمد ہے اور اسی نے پیدا کی ہے۔ جب چاہے وہ حمد چھین لے۔ جب ان باتوں پر آپ غور کرتے ہیں تو آپ کا ہر قبلہ خدا کی طرف اشارہ کرنے لگتا ہے اور قبلہ اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ چنانچہ غالب نے اسی مضمون کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ان معنوں میں تو نہیں کہ سورۃ فاتحہ سے تعلق ہے لیکن چونکہ وہ صوفیانہ مزاج بھی رکھتا تھا اس لئے بعض دفعہ اچھی اچھی حکمت کی باتیں بیان کر دیا کرتا تھا۔ کہتا ہے

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

کہ ہم لوگ بظاہر قبلے کی طرف منہ کرتے ہیں لیکن ہمارا مسجود تو قبلے سے پرے ہے۔ قبلہ فی ذاتہٖ مسجود نہیں ہے۔ جو نظر رکھنے والے لوگ ہیں، صاحب نظر لوگ وہ قبلے کو قبلہ نما کہتے ہیں۔ قبلہ دکھانے والا۔ تو اس نگاہ سے اگر آپ کائنات کی کسی چیز کو بھی دیکھیں تو ہر چیز کے ساتھ حمد کا ایک تصور وابستہ ہے اور ہر چیز قبلہ نما بن جاتی ہے۔ پس صرف وہی چیزیں نہیں جو آپ کے لئے محمود ہیں اور آپ کو محبوب ہیں بلکہ کسی چیز پر بھی آپ نظر ڈالیں۔ کوئی چیز بھی حمد سے خالی نہیں اور اس کے ساتھ ہی فرمایا لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور ربوبیت کا حمد سے ایک بہت بڑا تعلق ہے۔ میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ پورا حمد کے مضمون کو ان سات مضامین سے باندھ کر تفصیل سے یہاں بیان کر دوں لیکن یہ نمونہ آپ کو دے رہا ہوں تاکہ ان باتوں پہ غور کر کے اپنی نماز کے اندر ان سات برتنوں کو ایسے رس سے بھر دیں کہ ہر برتن آپ کے لئے ایک تسکین بخش شربت موجود ہو جسے پی کر آپ لذت حاصل کریں۔

اب ربوبیت کے مضمون کے ساتھ حمد کا جو تعلق ہے وہ بہت گہرا اور بہت ہی وسیع ہے۔ میں نے آپ کے سامنے کھانے کی مثال پیش کی۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کھانا جب فضلے میں تبدیل ہو جاتا ہے، گندگی اور بدبو میں تبدیل ہو جاتا ہے تو پھر کہاں حمد اس میں باقی رہ سکتی ہے اور حمد کے مضمون کو میں اس کے ساتھ کیسے باندھوں گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نظر گہری کر کے دیکھو۔ ربوبیت کا اس کے ساتھ بھی ایک گہرا تعلق ہے کیونکہ جو چیز تمہارا گند ہے وہ خدا کی کائنات میں بعض اور مخلوقات کے لئے ایک نعمت ہے۔ اور وہ نعمت مختلف شکلوں میں اس کی دوسری مخلوق کو پہنچ رہی ہے ایسی بدبودار کھاد جس کے پاس سے گزرا بھی نہیں جاتا وہ

پودوں کے لئے ایک نعمت ہے۔

اسی سے رنگ برنگ کے پھول نکلتے ہیں اور خوشبوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ رزق پیدا ہوتا ہے جو آپ کے لئے حمد بن جاتا ہے۔ تو کیسا عظیم مضمون ہے رب العٰلمین کی حمد کا کہ کوئی ایک پہلو بھی کائنات کا ایسا نہیں جو استعمال ہونے کے بعد بھی حمد کے مضمون سے خالی ہو۔ ہاں ایک طرف سے خالی ہوتا ہے دوسری طرف سے بھر جاتا ہے ایک کی ربوبیت کرتا ہے جب اس کی پیاس بجھا دیتا ہے تو خدا کی ایک اور مخلوق کی ربوبیت کے لئے تیاری کرتا ہے۔ پس اس پہلو سے جب آپ کائنات پر نظر ڈالیں تو کوئی ایک زندگی کا ذرہ بھی نہیں ہے جو کسی نہ کسی حالت میں کسی چیز کے لئے باعث حمد نہ ہو۔ عالمین نے اس بات کو کھول دیا کہ تم خدا کو اپنی طرح ایک چھوٹی ذات نہ سمجھا کرو جب اس کی طرف حمد منسوب کرو اور اس کی ذات میں حمد تلاش کرو تو رب العالمین کے طور پر وہ حمد تلاش کرو۔ اور ساری کائنات کی ربوبیت کے لئے اس نے جو نظام جاری فرمایا ہے اس پر غور کرو تو تمہاری نظر چندھیا جائے گی۔ تم ساری زندگی لمحہ لمحہ بھی غور کرتے چلے جاؤ گے تو یہ مضمون ختم نہیں ہوگا۔ ناممکن ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ اس زمین میں اور زمین کی ایک فضا میں جو اس زمین کا حصہ ہی ہے، جتنی بھی مختلف قسم کی کیمیاء موجود ہیں، مختلف قسم کے ذرات موجود ہیں، یہ تمام کے تمام مختلف شکلوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور ایک پہلو سے استعمال ہوتے ہیں تو پھر ایک دوسرے پہلو کے لئے تیار ہو کر نکل جاتے ہیں اور کوئی WASTE نہیں۔ ضیاع کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ناممکن ہے کہ ہم خدا کی اس زمین اور اس کے جو میں سے ایک ذرہ بھی ضائع کر سکیں کیونکہ وہ دوبارہ ری سائیکل (RECYCLE) ہوتا ہے اور یہ توازن اتنا عظیم الشان ہے کہ اتنی بڑی زمین، اتنی بڑی اس کی جو اور ان گنت ذروں پر مشتمل، لیکن ایک ذرہ بھی بلا مبالغہ اس میں سے ضائع نہیں ہو رہا۔ جس طرح چاہیں آپ اس کو استعمال کر کے اس کا حسن چاٹ جائیں، اس کو ختم کر دیں۔ وہ جو بھی نئی شکل اختیار کرے گا کسی اور پہلو سے وہ جلوہ دکھانے لگے گا۔ کسی اور کے لئے حسین بن کے ابھرے گا۔ ایک کا زہر ہے تو دوسرے کی تریاق بن جائے گا۔ ایک کی تریاق ہے تو وہ کچھ دیر کے بعد اس کے لئے زہر بنتی ہے اور ایک اور کے لئے تریاق بن جاتی ہے۔ تو

الحمد للہ رب العالمین

پڑھتے وقت اگر انسان ٹھہر کے سوچے اور خدا تعالیٰ کی ذات کی وسعت اور عظمت کا تصور کرے اور جس طرف نظر ڈالے وہاں حمد ہی کا مضمون دکھائی دے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان ساری عمر سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت صرف الحمد للہ رب العٰلمین کا حق ادا کر سکے، بالکل ناممکن ہے۔ پس کون کہتا ہے کہ یہ بار بار دہرائی جانے والی ام الکتاب انسان کے لئے بوریت اور اکتاہٹ کا مضمون پیدا کرتی ہے، اکتاہٹ کے مواقع پیدا کرتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہر انسان کی اکتاہٹ اس کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر اسے محبت کا سلیقہ نہیں تو ہر چیز سے وہ اکتا جائے گا۔ اچھی سے اچھی چیز بھی اس کو بھلی معلوم نہیں ہوگی۔ پس اگر اکتاہٹ سے پناہ مانگنی ہے تو اپنے اندر محبت کا سلیقہ پیدا کریں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ کسی بات سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ ان کے ماتھے پر تیوری چڑھی ہوئی، جو چیز مرضی دیں کہ نہیں جی! فضول، بکواس۔ ہر چیز پر تنقید کرتے۔ ہر چیز ان کو بری لگتی۔ قنوطی جیسے جہاں جاتے ہیں لوگوں کو مصیبت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے سامنے خدا کی کائنات حمد سے خالی ہوتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ دنیا میں اچھے لوگوں کا فقدان ہوتا ہے یا خوبیاں ہی دنیا سے غائب ہو چکی ہوتی ہیں۔ پس ان کے اندر ایک یبوست پائی جاتی ہے۔ ایک ایسی خشکی ہوتی ہے جو ان کو محبت سے عاری کر دیتی ہے۔ پس اگر

محبت کی نظر پیدا کریں

یعنی حسن دیکھنے اور اس سے استفادے کی نظر پیدا کریں تو خدا تعالیٰ کی حمد آپ کو ساری کائنات میں عظیم تر وسعتوں کے ساتھ اس طرح بکھری ہوئی اور پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ ایک ذرے کے دل میں بھی آپ اتر جائیں تو اس میں بھی حمد کا ایک نیا جہان آپ کو دکھائی دینے لگے گا۔ پھر خدا رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے اور مالک یوم الدین بھی ہے۔ ان صفات باری تعالیٰ کے ساتھ آپ حمد کو باندھیں تو پھر آپ دیکھیں کہ کتنے کتنے نئے حسین نقشے کائنات کے آپ کے سامنے ابھرتے ہیں۔ اور ہر نقشے کے ساتھ خدا کی ہستی کا تصور وابستہ ہوتا ہے۔ ہر حسین چیز کو خدا تعالیٰ حسن عطا کر رہا ہوتا ہے تو وہ نماز لذت سے کیسے خالی ہو جاتی ہے جس نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہو اور بے پناہ حسن کے جہان وہ ایک نظر کے سامنے کھلتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ آپ وقت نہ ہونے کی وجہ سے یا غور کی زیادہ قوت نہ پانے کی وجہ سے، استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے آگے گزر جائیں تو آپ کی مرضی ہے ورنہ سورۂ فاتحہ کے ہر لفظ پر ٹھہر جائیں تو ساری زندگی اس ایک لفظ میں گزر سکتی ہے اور بغیر اکتاہٹ کے گزر سکتی ہے۔ ایک عجیب مضمون ہے ہر لفظ میں جو آگے ایک پورا جہان بناتا چلا جاتا ہے۔ پھر اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا مضمون ہے۔ عبادت کا حمد سے بہت گہرا تعلق ہے اگر حمد نہیں ہوگی تو عبادت بھی نہیں ہوگی اور یہ دعویٰ کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ۔ صرف تیری عبادت کرتے ہیں، ایک بہت بڑا دعویٰ ہے جو حمد کے مضمون سے گزرے بغیر بالکل جھوٹا بن جاتا ہے جب تک انسان یہ اقرار نہ کرے اور پورے صدق دل سے اس اقرار کو سمجھ کر اس کا قائل نہ ہو کہ تمام حمد خدا کے لئے ہے اس وقت تک تمام عبادت خدا کے لئے ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر حمد کا کوئی پہلو کسی اور کے لئے ہے تو عبادت کا ہر پہلو خدا کے لئے نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک ایسی حسابی بات ہے جس کے اندر کوئی تبدیلی ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ MATHEMATICS کی ایک EQUATION ہے اور ایسی قطعی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس EQUATION کو بدل نہیں سکتی۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم

کو جو اتنا عظیم مقام عطا ہوا کہ کائنات کی ہر چیز تو درکنار ہر نبی سے آگے بڑھ گئے تو اس مسئلے کو سمجھنے کا آخری نقطہ یہ ہے کہ آپ کی ساری حمد بلا استثناء خدا کے لئے ہو گئی تھی۔ اس لئے ایک وہ شخص تھا جو جب یہ کہتا تھا کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ تو کامل طور پر اس اقرار میں سچا تھا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم۔

کیونکہ واقعۃً آپ کی ساری حمد خدا کے لئے تھی۔ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔ ہم جب خدا سے مدد مانگتے ہیں تو اس سے پہلے یہ اقرار کر رہے ہوتے ہیں کہ اے خدا! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہر شخص کی نیت یہی ہوگی اس سے تو کوئی انکار نہیں ہو سکتا یعنی انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ لیکن یہ قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ کلیۃً اس مضمون کا حق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وسلم نے ادا فرمایا اور پھر وہی ادا کر سکتا ہے جو آپ کا کامل غلام ہو۔

اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتا یعنی دعا کرنے والا قطعی طور پر خدا ہی کی عبادت کرتا ہے اور کسی اور کی عبادت نہیں کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مدد اسی سے مانگے گا اور کوئی مدد کے لئے رہا ہی نہیں کیونکہ جب معبود اٹھ گئے تو معبود تو ہوتے ہی وہ ہیں جن کے سامنے انسان اپنی ساری ہستی جھکا دیتا ہے اور اس سے بڑا اور کسی کو نہیں دیکھتا۔ اس کے بعد اور کون سا دروازہ رہ جاتا ہے جس کو کھٹکھٹانے کے لئے وہ اپنی ضروریات کی خاطر جائے گا۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مضمون اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے از خود پیدا ہوتا ہے اور اتنا ہی پیدا ہوتا ہے جتنا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے اندر سچائی پائی جاتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ پس اگر کسی کی عبادتیں حمد سے خالی ہوں اور حمد غیروں کے لئے ہو خواہ بظاہر اسکی عبادت کرے یا نہ کرے تو اس کی حمد سکڑ کر چھوٹی سی رہ جاتی ہے۔ کہتا تو یہ ہے کہ اے خدا! میں صرف تیری عبادت کرتا ہوں مگر جو موحّد ہو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اے خدا! میری نیت یہی ہے کہ تیرے سوا کسی کی عبادت نہ کروں لیکن اس کی حمد چونکہ دنیا میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے اور لوگ خود قبلہ بن چکے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ قبلہ نما ہوں۔ اس پہلو سے اس کی عبادت جتنا حمد سے خالی ہوتی ہے اتنا ہی سکڑ کر اس طرح بن جاتی ہے جیسے کوئی فالج زدہ جسم ہو۔ ہاتھ سکڑ کر پہلو کے ساتھ بغیر طاقت کے لٹک جاتا ہے۔ ہاتھ تو رہتا ہے۔ اسی طرح عبادت کی ظاہری شکل تو رہے گی لیکن چونکہ حمد سے خالی ہوگی اس لئے وہ جان سے خالی ہوگی۔ وہ زندگی سے خالی ہوگی۔ وہ روح سے خالی ہوگی۔ وہ طاقت سے خالی ہوگی۔ وہ اثر سے خالی ہوگی اور اسی نسبت سے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں کمزوری آجائے گی۔ خدا کی تقدیر اندھی تو نہیں ہے۔ خدا کی تقدیر تو اتنی صاحب بصیرت ہے کہ ان باریک ترین چیزوں کو بھی دیکھتی ہے جن پر انسان کی نظر پڑ ہی نہیں سکتی۔ اللہ کی تقدیر از خود اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا جواب بنتی ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں کتنی استطاعت ہے۔ مانگنے کی استطاعت دیکھی جاتی ہے ظرف کے مطابق دیا جاتا ہے پس ایسا شخص جس کی عبادت چھوٹی سی رہ گئی ہو اس کی استعانت کا جواب بھی اتنا ہی ملے گا اور اس میں کوئی ظلم نہیں۔ یہ اس بات کا ایک طبعی منطقی نتیجہ ہے۔ آپ جب خدا سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں تو جواب یہ مل سکتا ہے کہ تو فلاں کا بھی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، فلاں کا بھی کھٹکھٹاتا ہے۔ تیرے نزدیک فلاں شخص اتنی عظمت رکھتا ہے کہ جب سچ اور جھوٹ کا سوال ہو تو اس کی عظمت کے سامنے تو سچ کو قربان کرتے ہوئے بھی جھک جاتا ہے۔ تیرے ذہن میں فلاں چیز کی اتنی طاقت ہے کہ اس سے مدد مانگنے کی خاطر تو ہر اس فعل پر آمادہ ہو جاتا ہے جس کو خدا نے منع کیا ہوا ہے۔ غرضیکہ ایک بہت ہی تفصیلی مضمون ہے اور روز مرہ کی زندگی میں جب ہم اپنی ذات پر اور اپنے گرد و پیش پر چسپاں کرتے ہیں تو آدمی اگر صاحب ہوش ہو تو اس کے ہوش اڑ جائیں۔ ساری عمر کی عبادتوں میں اگر وہ مغز ڈھونڈنے لگے تو اتنا تھوڑا ملے گا جیسے جلے ہوئے گھر سے راکھ ٹٹول کر انسان اپنی کوئی چھوٹی سی چیز تلاش کر رہا ہو۔ پس جو عبادتیں خالی ہو چکی ہوں وہ کیا مانگیں گی؟ کیونکہ ہر مانگنے کے جواب ہیں۔ ہر سوال کے جواب میں خدا کی تقدیر آسمان سے یہ جواب آتی ہوگی کہ جاؤ تم ایسی باتیں نہ کرو۔ تکلف نہ کرو۔ تم دوسروں کی عبادت کیا کرتے تھے خواہ ظاہری طور پر نہ سہی لیکن جب مدد مانگنے کا وقت آتا تھا تو کسی اور کو طاقتور سمجھتے تھے اور دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ اس لئے بے تکلفی سے صاف حق کا اقرار کر لو۔ بات یہ ہے کہ تم میرے دروازے کھٹکھٹانے کا تکلف کرنے کے اہل نہیں ہو۔ جس کی حمد تمہارے دل میں ہے جس کی حقیقی عبادت کرتے ہو اسی سے مانگو اگر وہ تمہیں کچھ دے سکتا ہے۔

پس یہ جو فرق ہے کہ بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں اور بعض نہیں، آنسو فرق نہیں پیدا کیا کرتے۔ بعض لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں عبادت میں کس طرح مزا آئے ہم تو روتے روتے سجدہ گاہ بھگو دیتے ہیں۔ مگر ہماری مطلوبہ چیز نہیں مل رہی۔ ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ

جس چیز کو وہ خدا بنا بیٹھے ہوں

پھر اس سے اسی کا وجود مانگیں کیونکہ جب وہ اتنی زیادہ پیاری لگنے لگ گئی ہو کہ وہی قبلہ بن چکی ہو اور خدا کی طرف حمد صرف لفظوں سے منسوب کی جا رہی ہو اور فی الحقیقت خدا کی کائنات میں دوسری مختلف چیزیں انسان کی نظر میں محمود بن گئی ہوں، قابل حمد بن گئی ہوں تو جب وہ خدا کے حضور روتا ہے تو حمد کی وجہ سے نہیں روتا۔ وہ اس وجہ سے روتا ہے کہ اس کی طلب نہیں پوری ہو رہی۔ بیمار جب چیخیں مارتا ہے تو کسی تکلیف کی وجہ سے چیخیں مارتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ اس کی چیخوں سے اسکا علاج ہو جائے۔ علاج تو علاج کے علم کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس عبادات میں بھی ایک سائنس ہے۔ دعاؤں کی بھی ایک سائنس ہے جو دعائیں مستجاب ہونے کا حق رکھتی ہیں وہی مستجاب ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ وہ آنسوؤں سے خالی بھی ہوں۔ ایسی دعا نہ بھی بنی ہوں تب بھی وہ مقبول ہو جایا کرتی ہیں اور اس کا راز اسی میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کو آپ سمجھیں اور حمد کے مضمون کو خدا تعالیٰ کی چار صفات پر اطلاق کرتے چلے جائیں پھر جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہیں تو اپنے نفس کا جائزہ لیں اور غور کریں کہ کہاں کہاں آپ کی عبادت واقعۃً حمد سے لبریز ہے اور کہاں کہاں خالی ہے۔ اپنی روز مرہ کی زندگی کے حالات پر نظر ڈالیں تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا مضمون ہی ایک ایسا مضمون ہے جو آپ کے قدم روک لے گا اور آپ کبھی بھی اس مضمون سے نئے نکات حاصل کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سورۂ فاتحہ کا ایک مضمون بھی ایسا نہیں جسے انسان ساری زندگی کے غور و خوض کے بعد ختم کر سکے تو بتائیے کون سی اُکتاہٹ کا مقام ہے۔ اُکتاہٹ پیدا کیسے ہو سکتی ہے۔ اُکتاہٹ تو ہوتی ہے جب ایک چیز بار بار اسی شکل میں سامنے آئے۔ خدا تعالیٰ کا قرآن کریم میں یہ تعارف ملتا ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (سورۃ الرحمٰن: آیات ۳۰، ۳۱) خدا کی ہستی ایسی ہے کہ ہر لحظہ اس کی شان بدل رہی ہے، اس سے انسان کیسے بور ہو سکتا ہے۔ اگر بدلتی ہوئی شان دیکھنے کی استطاعت کسی میں پیدا ہو جائے، اُسے ایسی آنکھیں نصیب ہو جائیں جو بدلتی ہوئی شان کو دیکھ سکیں تو اُس کے لئے تو خدا تعالیٰ کبھی پرانا ہو ہی نہیں سکتا اور سورۂ فاتحہ کے شیشوں سے آپ خدا کی بدلتی ہوئی شان دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سورۂ فاتحہ وہ آلہ ہے، جیسے دوربین یا خوردبین یا اسی قسم کے آلے یا کیمرے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض چیزوں کو خاص زاویے سے، قریب سے دور سے دیکھنے کیلئے

اسی طرح سورۃ فاتحہ کو بھی ایک صاحب بصیرت انسان خدا تعالیٰ کی صفات دیکھنے اور اس کی نئی نئی شانیں دیکھنے میں استعمال کر سکتا ہے۔ اور اگرچہ صرف چار صفات کا ذکر ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ ان چار صفات میں خدا تعالیٰ کی تمام صفات موجود ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ اس چھوٹی سی سورۃ کو اُمّ الکتاب کہا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی تمام صفات کی بحث ہے۔ پس کیسے اسے اُمّ الکتاب کہہ سکتے ہیں اگر اس میں خدا تعالیٰ کی صفات میں سے صرف چار بیان ہوں۔ سوائے اس کے کہ وہ چاروں صفات اُمّ الصفات ہوں۔ اور یہی امر واقعہ ہے۔ ان چار صفات کے ایک دوسرے کے عمل کے ساتھ اور ان کی جلوہ گری میں آپ کو خدا تعالیٰ کی تمام صفات دکھائی دے سکتی ہیں۔

پس اُمّ الکتاب کا صرف یہ مطلب نہیں کہ سورۃ فاتحہ میں مضامین ہیں۔ ان میں ہر لفظ جو بیان ہوا ہے وہ ماں کا درجہ رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی چار صفات اُمّ الصفات ہیں۔ عبادت کا مضمون خدا سے تعلق کے لحاظ سے ہر مضمون کی ماں ہے۔ یہ وہ رستہ ہے جس کے ذریعے خدا سے تعلق قائم ہوتا ہے اور اس کے بغیر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ تو زندگی کے کسی دائرے میں بھی خدا سے تعلق ہو خواہ بظاہر آپ نماز پڑھ رہے ہوں یا نہ پڑھ رہے ہوں، وہ حقیقت میں عبادت ہی ہے جس کے ذریعے یہ تعلق قائم ہو سکتا ہے۔ اور اس مضمون کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ہمارے سامنے اس طرح کھول کر بیان فرما دیا جب فرمایا کہ اگر تم بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالتے وقت یہ سوچتے ہوئے لقمہ ڈالو کہ خدا راضی ہوگا اور خدا چاہتا ہے کہ تم اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو اور اس سے حسن سلوک کرو تو تمہارا یہ فعل بھی عبادت بن جائے گا۔ تو اب دیکھ لیں اس چھوٹی سی مثال میں ہر انسانی زندگی کے ہر عمل کو عبادت میں تبدیل کرنے کا کتنا عظیم الشان نسخہ بیان فرما دیا گیا۔ اور تعلق صرف نماز کے ذریعہ قائم نہیں ہوتا بلکہ ہر آن انسان کے گرد و پیش میں ہونے والے واقعات اور اس کے تجارب کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کا ایک تعلق ہے۔ انسان اپنے گرد و پیش میں ہونے والے واقعات سے متأثر ہو کر جو بھی ردِّ عمل دکھاتا ہے وہ ردِّ عمل عبادت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اور عبادت سے دُور بھی ہٹ سکتا ہے۔

پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں تعلق باللہ کی ماں بیان ہو گئی ہے۔ یعنی اس ایک لفظ کے اندر، اس ایک عہد میں کہ اے خدا تیرے سوا ہم کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ تیری کریں گے اور صرف تیری کریں گے۔ تیری ہی عبادت کرتے ہیں کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ غیر کی عبادت کا انکار کرتے ہیں۔ اس اقرار میں ہر تعلق باللہ کی جان ہے۔ اور اس کو آپ جتنا وسیع کرتے چلے جائیں گے اُتنا ہی زیادہ آپ اس کے مطالب سے استفادہ کرتے چلے جائیں گے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں بھی بظاہر آپ غیروں سے سوال بھی کرتے ہیں۔ بچہ ماں سے سوال کرتا ہے۔ باپ سے چیز مانگ لیتا ہے۔ دوست دوست سے چیز مانگ لیتا ہے۔ اس میں اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں فرق کیا ہے؟ اس فرق پر جب آپ غور کریں گے تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ دوست کی حیثیت، ماں کی حیثیت، باپ کی حیثیت، بچے کی حیثیت جب تک یہ حیثیتیں اصل مقام پر قائم نہ ہوں اور خدا کے مقابل پر ان کے مقام انسان کے پیشِ نظر نہ ہوں، اگر ان کے ضائع ہونے کے باوجود خدا باقی رہتا ہو۔ اور ان کا حسن اور ان کی خوبیاں یوں دکھائی دیتی ہوں جیسے خدا کا حسن اور خدا کی خوبیاں ان میں منعکس ہو رہی ہوں، تو پھر ان سے مانگنا خدا ہی سے مانگنا بن جائیگا اور غیر اللہ سے مانگنا نہیں رہے گا۔ لیکن اگر ان کے مقام بگڑے ہوئے ہیں اور ان کے مقامات خدا تعالیٰ کے مقام سے الگ ہوں اور اس [illegible] پر نہ ہوں تو پھر یہ شرک کے آلات بن جائیں گے۔

پس قبلے کو قبلہ نما کہنا اس مضمون کی وضاحت کر رہا ہے۔ جب ایک عبادت کرنے والا قبلے کی طرف منہ کرتا ہے تو اس لئے وہ مُنتَظِر نہیں ہے کہ قبلہ جس طرف بنا ہوا ہے وہاں موجود عمارت اس کے تصور میں ہی نہیں آتی۔ گویا وہ ہے ہی نہیں۔ صرف منہ اس طرف کیا جاتا ہے۔ لیکن نشانہ بالآخر خدا کے قدم ہیں۔ جن کی عبادت کے سامنے انسان اپنا سر جھکاتا ہے۔ پس اس پہلو سے جب انسان حمد کے مضمون پر نگاہ ڈالتا ہے اور گرد و پیش سب پیاری چیزوں کو اس طرح سمجھنے لگتا ہے کہ ان کی اپنی کوئی حقیقت نہیں، میرے خدا ہی کا حسن ہے تو اس کے بعد جب [illegible] سے استعانت کرتا ہے تو اس استعانت کے بھی کوئی خاص معنے نہیں ہوا کرتے۔ [illegible] ہے تو اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اس کے مانگنے میں ایک استغناء پایا جاتا ہے۔ ایک عظمت پائی جاتی ہے۔ وہ جھک جھک کر گر گر کر نہیں مانگتا [illegible] ہے کہ خدا نے ہی اس کو دیا ہے۔

اگر یہ نہیں دے گا اور خدا نے مجھے دینا ہوگا تو ہزار رستے اس کے دینے کے ہیں۔ اَن گنت راہیں ہیں جن سے وہ مجھے عطاء کر سکتا ہے۔ تو عرفانؔ جتنا جتنا بڑھتا چلا جاتا ہے اُتنا اُتنا نماز میں لذّت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور عرفان بڑھانے کے لئے بہت غیر معمولی علم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر انسان کا اپنا علم عرفان پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب کائنات پر غور کرنے کے لئے ایک سائنس دان کا غور بہت وسیع ہوگا۔ اگر اُسے خدا تعالیٰ عرفان کی آنکھیں ہی نہ دے تو بڑے سے بڑے علم کے باوجود اُس کو حمد کا مضمون سمجھ نہیں آئے گا۔ لیکن ایک معمولی انسان، ایک چیسر والا، ایک گڈریا، ایک زمیندار کاشتکار یا ایک مزدور اگر بصیرت کی نظر رکھتا ہو تو وہ اپنے روزمرّہ کے کاموں میں بھی خدا کی حمد دیکھ سکتا ہے اور حمد کے ترانے گا سکتا ہے۔

پس

علم سے حمد ضرور بڑھتی ہے

اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن علم کے بغیر بھی عرفان نصیب ہو سکتا ہے۔ اگر انسان خدا تعالیٰ کی جستجو کرے اور اس کے حسن کی تلاش کرے تو کوئی ایک جگہ، ایک مقام بھی ایسا نہیں جہاں سے جستجو کرنے والا خدا تعالیٰ کا حسن نہ دیکھ سکے اور وہی حسن ہے جو دراصل حمد میں تبدیل ہوتا ہے۔ جس کے بعد انسان بے اختیار کہتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پھر روزمرّہ کے انسان کے تجارب ہیں، خوشیاں ہیں، غم ہیں۔ خوف ہیں۔ ان کے نتیجے میں روزانہ نماز کے یہ سات لفظ جو میں نے بیان کئے ہیں یہ نئے نئے مضامین سے بھرے جا سکتے ہیں۔ ایک شخص کا ایک بچہ فوت ہو جاتا ہے، اس کو اور کوئی صدمہ پہنچتا ہے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب ہم کس طرح سچے دل سے حمد کریں۔ یہ کہنے والے صرف اس لئے یہ کہتے ہیں کہ ان کے دماغ میں حمد اور شکر ایک ہی مضمون کے دو نام بن چکے ہوتے ہیں اور اکثر لوگ حمد صرف شکر کے معنوں میں کہتے ہیں۔ اُن کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ حمد ہے کیا؟ تو کہتے ہیں کہ اب تو ہمارا نقصان ہو گیا۔ اب تو ہم صدمے کی حالت میں ہیں یا خوف کی حالت میں ہیں، ہم کیسے حمد کہیں۔ لیکن وہی وقت حمد کہنے کا ہوتا ہے۔ کیونکہ

ایک محمود چیز اُن کے ہاتھوں سے چلی گئی

ہوتی ہے۔ ایک ایسی چیز اُن کی رُوح سے کھوئی جاتی ہے جس کے ساتھ اُن کی کوئی حمد وابستہ ہے اور وہ وقت ہوتا ہے یہ یاد کرنے کا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ حمد تو اصل میں خدا کی ہے۔ خدا نے یہ حمد اس کو تھوڑی سی بخشی تھی عارضی طور پر تو وہ قابلِ ستائش تھا۔ لیکن جس نے حمد عطاء کی تھی وہ میرا ہے۔ اور وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہنے والا ہے۔ وہ کبھی مجھے چھوڑنے والا نہیں۔ پس نقصان سے کچھ صدمہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن اگر اس صدمے کو انسان عارضی سمجھ لے۔ یعنی حقیقت میں عرفان کی رُو سے تو وہ صدمہ عارضی بن جاتا ہے۔ اور اگر اس کی حمد ہمیشہ کے لئے اس سے وابستہ ہو چکی ہو اور خدا کے علاوہ ایک باطل بُت کے طور پر ایک شخص سے پیار کرنے لگے تو اس کا نقصان بھی ہمیشہ رہے گا۔ اور اس سے پتہ چلے گا کہ اس نے خدا کے علاوہ کسی اور شخص سے دائمی حمد منسوب کر دی تھی۔ پس دیکھیں ایسے صدمے کے بعد اُس کی پہلی نماز کی پہلی رکعت بے اختیار اس کی توجہ اس طرف مبذول کرا دیتی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ روز تمہیں یہ سبق دیا گیا۔ روز تم نے غور سے پڑھا۔ جانتے ہو اچھا بھلا کہ خدا کے سوا کوئی حمد نہیں ہے تو اگر یہ چیز ضائع ہوئی تو خدا ہی نے تو حمد عطا کی تھی۔ اس لئے اگر کوئی حمد عطا کرنے والا اپنی چیز واپس لیتا ہے تو واپس دیتے وقت بھی تو شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ شکوے کا وقت تو نہیں ہوا کرتا۔ آپ نے کسی کو کوئی چیز استعمال کے لئے دی ہو۔ اور جب آپ واپس لیں تو وہ آگے سے گالیاں دینے لگ جائے کہ یہ چیز ابھی تم نے مجھے دی تھی۔ اب واپس لے گئے ہو تو آپ کا اس کے متعلق کیا تأثر ہوگا۔ لیکن اگر وہ شریف النفس ہے تو واپس دیتے وقت بھی شکریہ ادا کرے گا۔ لیکن یہ شکریہ تبھی ادا ہو سکتا ہے اگر

مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ

پر نظر ہو۔ [illegible] کو انسان مالکِ کُل سمجھتا ہے۔ اسی کا شکریہ ادا کیا کرتا ہے۔ اور اس کے [illegible] لینے پر کوئی ناراضگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جتنی دیر اس نے متمتع دیا

غنیمت ہے ۔ اس کا احسان ہے تو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن نے اس حمد کا خدا تعالیٰ کی صفات کے ساتھ تعلق خوب کھول کر بیان کر دیا ۔ اور یہ مطلع کر دیا کہ اگر خدا کو مالک یوم الدین سمجھوگے تو اس کے ساتھ وابستہ ہر حمد ہمیشہ حمد ہی کی حالت میں دکھائی دے گی ۔ اگر اس کو مالک یوم الدین نہیں سمجھوگے تو بعض موقعوں پر حمد کے اہل نہیں رہوگے ۔ جب کسی پہلو سے تمہیں ابتلاء پیش آئے گا کوئی چیز تم سے واپس لی جائے گی تو تم آپ جو مالک بن بیٹھے ہوگے، ہمیشہ کے لئے اپنا بنا چکے ہوگے، ہمیشہ کے لئے اس کے ہو چکے ہوگے تو مالک یوم الدین پھر کہاں رہا ۔ خدا تو اس کی ملکیت سے پھر الگ ہو گیا ۔ پس سورۃ فاتحہ میں انسانی سوچوں کے جتنے بھی پہلو ہیں اُن تمام پہلوؤں کی سیرابی کی گئی ہے ۔ انسان کی ہر تشنگی کو دُور فرمایا گیا ہے ۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی انسان سورۃ فاتحہ پر سے غور کرتے ہوئے گزرے اور کسی قسم کی تشنگی باقی رہے یا اُکتاہٹ محسوس ہو ۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ فرمایا کہ جب یہ کہو کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ تو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن میں یہ معنے رکھ لیا کرو کہ اَے خدا ! تیری عبادت کی نیت تو ہے پر کی نہیں جاتی ۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن، مدد بھی تجھ سے ہی مانگتے ہیں ۔ تو اللہ تعالےٰ مدد فرمائے گا ۔ اور آہستہ آہستہ تمہاری عبادت صحیح مقام پر کھڑی اور قائم ہو جائے گی ۔

پس یہ مضمون جیسا کہ مَیں نے بیان کیا تھا بہت وسیع ہے اور ایک خطبے میں تو ناممکن ہے کہ اس کا پورا حق ادا کیا جا سکے ۔ مَیں نے کوشش کی ہے کہ مختصرًا آپ کو سمجھاؤں کہ

عرفان سے نماز میں لذت پیدا ہوتی ہے

اور اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی ۔ بات سمجھنے کے باوجود اچانک آپ کی نماز زندہ نہیں ہو سکتی ۔ جن دانوں میں رس نہ رہا ہو اگر وہ ابھی زندہ ہیں اور درخت سے تعلق رکھتے ہیں تو معاً علاج کے بعد ان میں رس تو نہیں بھر جایا کرتا ۔ وقت لگتا ہے اور محنت کرنی پڑتی ہے ۔ پس اللہ تعالےٰ نے انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

(سورۃ الانشقاق : آیت ۷)

کہ اَے انسان ! تو خدا کی طرف محنت کر رہا ہے، یعنی وہ انسان مخاطب ہے جو خدا کو پانے کے لئے محنت کرتا ہے ۔ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا ۔ تجھے بہت محنت کرنی پڑے گی ۔ اور بہت محنت کر رہا ہے ۔ ہم تجھے یہ یقین دلاتے ہیں کہ تیری یہ محنتیں ضائع نہیں جائیں گی ۔ فَمُلٰقِيْهِ : تو ضرور اُس رب کو پالے گا جس کی خاطر تو محنت اور جِدّ و جُہد کرتا ہے ۔ تو عبادت کے باہر کے دروازے پر پہنچنے کی بجائے واپس عبادت کے مرکز کی طرف لوٹیں اور اپنی محنتوں کو جاری رکھیں اور خدا سے دُعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالےٰ محنتوں کی بھی توفیق عطا فرمائے ۔ اور محنتوں کو پھل بھی لگا دے ۔ یہاں تک کہ نماز آپ کے لئے لذّتوں کا ذریعہ بن جائے ۔ بوریت اور اُکتاہٹ کا باعث نہ رہے ۔ ❁

اخبار "بدر" کی ملکیت اور دیگر تفصیلات کا بیان

بموجب پریس رجسٹریشن ایکٹ فارم نمبر ۴ قاعدہ نمبر ۸

رجسٹریشن نمبر :- R.N. 61/57

(۱) ۔ مقام اشاعت ـــــــ قادیان
(۲) ۔ وقفہ اشاعت ـــــــ ہفت روزہ
(۳) ۔ (۴) ۔ پرنٹر و پبلشر ـــــــ منیر احمد حافظ آبادی
قومیت ـــــــ ہندوستانی
پتہ ـــــــ محلہ احمدیہ ۔ قادیان ۔ پنجاب
(۵) ۔ ایڈیٹر کا نام ـــــــ عبد الحق فضل
قومیت ـــــــ ہندوستانی
پتہ ـــــــ محلہ احمدیہ ۔ قادیان ۔ پنجاب (بھارت)

مَیں منیر احمد حافظ آبادی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے درست ہیں ۔

منیر احمد حافظ آبادی ایم ۔ اے ۔
پرنٹر و پبلشر ۔ قادیان
پروپرائٹر نگران بورڈ بدر

خالص اور معیاری زیورات کا مرکز
الرّحیم
جیولرز
پروپرائٹر :- سیّد شوکت علی اینڈ سنز
(پتہ)
خورشید کلاتھ مارکیٹ حیدری ۔ نارتھ ناظم آباد ۔ کراچی ۔ فون : ۶۲۹۴۴۳

SUPER INTERNATIONAL
PHONE No. OFF. 6348179 RESI. 6233389
(PLEASE CONTRACT FOR IMPORT AND EXPORT GOODS OF ALL KINDS)
PLOT NO. 6, TARUN BHARAT CO-OP. SOCIETY LTD.
OLD CHAKALA, SAHAR ROAD. BOMBAY- 800099.
(ANDHERI EAST)

ارشادِ نبوی ﷺ
اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا
(ترجمہ)
سفارش کیا کرو ۔ تم کو سفارش کا بھی اجر ملیگا

طالبانِ دُعا :-
آٹو ٹریڈرز
۱۶ ۔ مینگو لین ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

"ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں"۔
(کشتی نوح)
NUR ®
CALCUTTA-15.
پیش کرتے ہیں،
آرام دہ، مضبوط اور دیدہ زیب ربڑ شیٹ، ہوائی چپل نیز ربڑ پلاسٹک اور کینوس کے جوتے ۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ
(پیشکش)
YUBA
QUALITY FOOT WEAR
بانی پولیمرز ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۴۶
ٹیلیفون نمبرز : ۵۲۰۶ ۔ ۵۱۳۷ ۔ ۴۰۲۸ ۔ ۴۳